حکایاتِ کشمیر

محمد الدین فوق

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

91

حکایات کشمیر

محمد الدین فوق

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 002990
MAILSI

طبع اوّل : ۱۹۲۸ء
عکسی اشاعت : ۲۰۰۰ء
قیمت : چالیس روپے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

طابع وناشر:- خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

حرف آغاز

"حکایات کشمیر" جموں اور کشمیر کی تاریخ ہے۔ محمد الدین فوق نے اسے دلچسپ اور آسان انداز میں تالیف کیا ہے۔ پہلی مرتبہ کریمی پریس لاہور سے ۱۹۲۸ء میں طبع ہوئی، یہ اب نایاب ہے۔

خدا بخش لائبریری منتخب و مخصوص موضوعات پر محققین سے کام کراتی ہے اور اسے شایع کرتی ہے۔ اپنے مخطوطات کو کبھی اڈٹ کراکے اور کبھی عکسی اڈیشن کی شکل میں پیش کرتی ہے تاکہ انکا حصول آسان ہو جائے۔ علاوہ ازیں ان کتابوں کو بھی وہ اپنے اشاعتی پروگرام میں شامل کرتی ہے جو موضوع کے اعتبار سے اہم ہیں اور نایاب ہوگئی ہیں تاکہ ان سے بھی استفادہ ممکن ہو سکے۔ اس طرح ترویج علم و ادب میں لائبریری اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔

کتاب ہٰذا بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جس کی طباعت ثانی کو لائبریری نے ضروری سمجھا اور اس کا عکسی اڈیشن شائع کر دیا۔ ضرورتاً فہرست مضامین کی کتابت البتہ دوبارہ کرائی گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تقریباً تین ربع قدیم یہ کتاب کشمیر کے مطالعہ میں ضرور مفید ثابت ہوگی۔

حبیب الرحمٰن چغانی

ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل لاہور کا سلسلہ تالیفات ۲۲

حکایات کشمیر

تاریخ جموں و کشمیر کی بعض دلنواز اور نتیجہ خیز داستانیں

نہایت آسان اور دلنشین پیرایہ میں

مؤلفہ و مرتبہ

محمد الدین فوق

قیمت عہ
کاپی

سنہ ۱۹۲۹ء

بار اول

(مطبوعہ کریمی پریس لاہور باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر)

فہرست مضامین

کشمیر جنّت نظیر

۱۔ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق کل دنیا کے چار یگ ہیں۔ ست یگ۔ ترتیا۔ دواپر۔ کل یگ یا کل جگ۔ ان چاروں یگوں کو چتریگی یا مہا یگ کہتے ہیں۔ ایک ہزار چتریگی کا ایک کلپ یا برہما کا ایک دن کہلاتا ہے۔ اور یہی دنیا کی عمر ہے۔

۲۔ دنیا کی اس عمر کو انہوں نے ایک دوسری صورت میں چودہ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہر حصہ ۷۱ چتریگیوں کا ہوتا ہے۔ جسے منونتر کہتے ہیں۔ اس وقت تک چھ منونتر گذر چکے ہیں جن کی عمر ایک ارب ۸۴ کروڑ تین لاکھ ۲۰ ہزار سال بتائی جاتی ہے اب ساتواں منونتر گذر رہا ہے۔

۳۔ قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو زمین کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے۔ وہ دنیا کی پیدائش سے لیکر چھ منونتروں کے زمانہ تک پانی سے ڈھکی رہی۔ یا دوسرے الفاظ میں سرزمین کشمیر میں ایک ارب ۸۴ کروڑ تین لاکھ ۲۰ ہزار سال تک پانی کی چادر ہی بچھی رہی۔ جس کا نام مورخین نے سرستی یا ستی سر لکھا ہے۔

سلہ ۱ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سوئمبو۔ سوارو چھس۔ آدتم۔ تامس۔ ریوت۔ چاکھیش
سلہ ۲ نام ۷ سے ۱۴ تک حسب ذیل ہیں۔ دیوسوت۔ ساورنیہ۔ دکش ساورنیہ برہم ساورنیہ۔ دھرم ساورنیہ۔ رودر پتر۔ رد چشیچ۔ بھونک۔

۴ - جب ساتویں منونتر دیوسوت کا زمانہ آیا - تو پرجاپتی کشیپ نے دردھن (برہما) اوپیندر (وشنو) اور رودر (شو) کی رہنمائی میں دیوتاؤں سے مدد حاصل کرکے جلودبھوراکھش کو جو جھیل ستی سر میں رہتا تھا - مروا ڈالا - اور بارہ مولا سے پانی کی رکاوٹ دور کراکر ستی سر کا نام جو پانی سے ڈھنپا ہوا تھا "کشمیر" رکھا - ساتویں منونتر کے آج ۱۹۷۸ء تک ۵۰۷۹ سال گذر چکے ہیں - یہی یہی عمر آبادیے کشمیر اور دادیے کشمیر کی ہے -

۵ - لکھا ہے - کہ سرزمین کشمیر کا محافظ تمام ناگوں کا آقا "نیل" ہے - جس کے شاہی چتر کا بالائی حصہ نیل کنڈ کا گول تالاب - اور ڈنڈی (ونتشتا وجہلم) کا اس چشمے سے نکلنے والا دریا ہے -

کشمیر کا نام "تت سر د بھومیاؤ" یعنی تیرتھوں کی سرزمین ہے سب سے اول اور مقدس تیرتھ چشمہ "نیل ناگ" ہے - جو تمام تیرتھوں کا سردار ہے - یہ بھی مشہور ہے - کہ "نیل" کشیپ رشی کا بیٹا تھا - اور وہ قصبہ "ویرناگ" کے قریب ایک چشمے میں رہتا تھا - یہ چشمہ پرگنہ شاہ آباد میں درہ بانہال کے دامن میں واقع ہے - شہنشاہ جہانگیر نے اس کے گرد ایک سنگین دیوار بنوائی تھی - جس کا ذکر کتاب توزک جہانگیری اور بعض دوسری کتابوں میں موجود ہے -

۶ - "نیل مت پوران" میں لکھا ہے کہ "وشنو" نے چشمہ نیل کے قریب رستہ بناکر اور کشمیر کا پانی نکالکر زمین کو خشک کر دیا تھا اور شوجی نے پاربتی کو اپنے ترسول کے ذریعہ ونتشتا ندی (دریائے جہلم) کی شکل میں زمین سے نکالا تھا - آجکل "نیل ناگ" چشمہ کا نام "ویرناگ" ہے -

ویر شاہ آباد کے پرگنہ کا نام ہے - اور ناگ سے مراد چشمہ ہے - اس وقت اس کی شکل شش پہلو ہے - کشمیر کے

دریاؤں میں خوفناک آبی جانور نہیں ہوتے - موسم سرما میں گرم حمام نہایت آرام دہ ہیں - اور ہر امیر و غریب ان سے فائدہ اٹھاتا ہے - یہ غسل خانوں کا بھی کام دیتے ہیں - اور آرام دہ مکانوں کا بھی! سرنیگر کے زیادہ حمام دریا کے کنارے ہیں - کشمیر میں گھاٹ بھی بکثرت ہیں - کشمیری زبان میں گھاٹ کو یاربل کہتے ہیں جس کے معنے ہیں دوستوں سے ملنے کی جگہ -

کشمیر اور جموں کا علاقہ عموماً کوہستانی ہے - اس میں پانی بھی زیادہ ہے - ہر موضع کے پاس کوئی نہ کوئی ندی نالہ ضرور رہتا ہے - یہ علاقہ پنجاب کے شمال و مشرق میں واقع ہے - جموں اور کشمیر کے شمال میں - - - - - - - کوہ قراقرم اور ترکستان واقع ہیں - جنوب میں پنجاب کے انگریزی علاقہ کے اضلاع نیز ریاست چمبہ مشرق میں چینی تبت اور ریاست نیپال - اور مغرب میں کوہ ہندوکش - اور افغانستان وغیرہ - ریاست کے آئینی ملک کا رقبہ تقریباً اڑسٹھ ہزار میل - لیکن اگر غیر آئینی ملک میں لداخ و گلگت وغیرہ بھی شامل کر لیا جائے - تو کل رقبہ ۸۴ ہزار مربع میل ہو جاتا ہے - کل آبادی تینتیس لاکھ - جس میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں - ان سے کم ہندو - اور ان سے بھی کم بدھ آباد ہیں - باشندے بالعموم جفاکش - سفید رنگ اور شکیل ہیں - ان میں سے ۷۵ فی صدی باشندوں کا پیشہ زراعت اور باقی پچیس فی صدی صنعت و حرفت اور ملازمت تجارت وغیرہ میں مصروف ہیں -

۷ - ریاست جموں و کشمیر طبعی طور پر تین حصوں میں منقسم ہے حصہ اول میں وہ تمام علاقے شامل ہیں - جو سلسلہ اعظم ہمالیہ کے جنوب اور اضلاع پنجاب میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں - یہ

علاقہ انتظامی طور پر صوبہ جموں میں شامل ہے۔ حصہ دوم کوہ ہمالیہ کا درمیانی علاقہ ہے۔ جس قدر ملک ہمالیہ کے بڑے سلسلے کے درمیان واقع ہے۔ اسی کا نام کشمیر ہے۔ حصہ سوم کوہ ہمالیہ کے پار کے علاقہ جات پر مشتمل ہے۔ یہ کوہ ہمالیہ سے پرے کوہ قراقرم اور ہندوکش تک پھیلا ہوا ہے۔ لداخ اور گلگت کے اضلاع اسی حصہ میں شامل ہیں۔

۸۔ کشمیر کی آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ آخر ایک وقت آیا۔ کہ اہل کشمیر نے کٹ راج یعنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں۔ لیکن ملک میں چونکہ کوئی ایسی طاقت نہ تھی۔ جو ان سب کو آئے دن کی خانہ جنگیوں سے باز رکھتی۔ اس لئے بعض رئیسوں نے اپنی حفاظت کے لئے جموں کے حکمران خاندان کی طرف توجہ کی۔ جہاں اس وقت راجہ جامبولوچن جس کے نام پر شہر جموں آباد ہے کا بیٹا دھرم کرن راج کر رہا تھا۔ اس نے اپنے بھائی دیاکرن کو اہل کشمیر کی درخواست پر کشمیر بھیجا۔ جو تمام چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو مطیع اور باجگذار بنا کر خود کشمیر کا راجہ بن گیا۔ یہ واقعہ سکندر یونانی کے حملہ ہند سے تھوڑا عرصہ پہلے کا ہے۔ دیاکرن کی اولاد سے پچپن راجاؤں نے کشمیر میں حکومت کی۔

۹۔ اس خاندان کے بعد کئی اور ہندو خاندانوں کے راجاؤں نے کشمیر پر نہایت شان و شوکت سے حکمرانی کی۔ ان کے بعد ۱۳۲۱ء میں کشمیر مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں آیا۔ جن میں خالص کشمیری بادشاہوں کے علاوہ مغلوں اور پٹھانوں نے ۱۸۱۹ء تک حکومت کی۔ پھر کشمیر پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فتح پائی۔ جہاں ۱۸۳۹ء تک وہ خود حکومت کرتا رہا۔ اور اس کے بعد ۱۸۴۶ء کی ابتدار

تک اس کی اولاد اس ملک پر قابض رہی۔
۱۰- قریباً ۲½ ہزار سال کے بعد مارچ ۱۸۴۶ء میں ایک برطانوی عہد نامہ کے مطابق کشمیر پھر راجہ جامبو لوچن کی اولاد کے قبضہ میں آیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس کے حکمران قرار پائے۔ جو اپنے خاندان کے سب سے بڑے رکن تھے۔ اور جن کے ساتھ ریزیڈنٹ لاہور نے عہد نامہ کیا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے جموں و کشمیر اور سرحدات کے چھوٹے چھوٹے والیان ملک پر فتح حاصل کر کے اپنے ملک کی بہت توسیع کی۔ ان کے فرزند مہاراجہ رنبیر سنگھ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۵ء تک حکمران رہے ہیں۔ وہ بڑے علم دوست والیٔ ملک تھے۔ ان کی وفات کے بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ جو ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ تخت پر بیٹھے۔ اور چالیس سال تک حکومت کر کے ۱۹۲۵ء میں انتقال کر گئے۔ چونکہ وہ لاولد تھے۔ اس لئے ان کے بعد ان کے بھائی سر راجہ امر سنگھ بہادر کے اکلوتے فرزند سر راجہ ہری سنگھ بہادر کشمیر و جموں وغیرہ ممالک کے حکمران قرار دیئے گئے۔ جو اس وقت کشمیر پر جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں۔ ....

راجہ ہرن دیو

جس نے آوارگی کے بعد حکومت حاصل کی

راجہ ہرن دیو کشمیر کے باون گم شدہ راجاؤں میں سے پہلا راجہ ہے

۱۔ ہرن دیو راجہ پرچھت کا بیٹا اور ارجن دیو کا پوتا تھا۔ جب اس کے باپ پرچھت نے اپنے بڑے بیٹے جنشٹیپے (ہرن دیو کے بڑے بھائی) کو راج دیا۔ تو ہرن دیو ناراض ہوکر اور فوج بھرتی کرکے بھائی کے مقابلہ کو نکلا۔ گر تاب مقابلہ نہ لاکر مع اپنے جان نثار رفیقوں کے کوہستان جمبہ کی محفوظ گھاٹیوں میں جاکر پناہ گزین ہوگیا۔ اسی سلسلہ میں اس کی ملاقات ایک گوشہ نشین سادھو سے ہوگئی۔ جو کسی غار کے اندر ریاضت وعبادت میں مشغول تھا۔ ہرن دیو مدت تک اسکی خدمت کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اسی سادھو نے خوش ہوکر ہرن دیو کو حکومت کا مژدہ سنایا۔ اور کشمیر جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ ہرن دیو فوراً کشمیر کی طرف روانہ ہوگیا۔

۲۔ ہرن دیو کشمیر پہنچکر کچھ مدت تک ادہر ادہر بھٹکتے کے بعد راجہ گونند ثانی کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ چونکہ راجہ کا بیٹا تھا۔ اور فوجی قواعد اور جنگ کے طریقوں سے واقف تھا۔ اس لئے ترقی کرتے کرتے مدار المہام کے اعلےٰ منصب پر پہنچ گیا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اس نے عام ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔ اب ہرن دیو کو سادھو

سنہ عہد حکومت ۳۰۳۶ قبل مسیح لغایت ۳۰۰۶ قام

کی پیشگوئی کا خیال آیا۔ تو یہ کانٹا رہ رہکر اس کے دل میں کھٹکنے لگا۔ ہرن دیو کی خوش قسمتی سے دربار میں سازشوں کی گرم بازاری تھی اور چونکہ سادھو کی پیشگوئی پر اسے ہر وقت یقین تھا۔ اس لئے وہ خود بھی ایسی سازشوں میں جو راجہ کے خلاف ہوئی تھیں۔ سرگرمی سے حصّہ لیتا تھا۔ راجہ گونند آخر اپنے رشتہ داروں کے ہاتھ سے مارا گیا

۳۔ ہرن دیو نے اپنی سخاوت وفیاضی اور اپنے نیک سلوک سے رعایا کے دل اپنے قبضہ میں کر رکھے تھے۔ اور اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اس لئے کشمیر میں حکومت کا مالک اب ہرن دیو کے سوا اور کوئی نظر نہ آتا تھا۔ اس نے دھوم دھام سے تخت نشین ہو کر ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی۔ وہ پہلے بھی بڑا سخی تھا۔ مگر تخت پر بیٹھکر اس نے خزانوں کے منہ کھولدیئے عام بخشش کا سلسلہ جاری کیا۔ کشمیر اس کے عدل وانصاف کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس سے اس کی سلطنت خوب مضبوط ہو گئی۔ آخر تین سال حکومت کر کے سلطنت اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ گیا۔ چونکہ یہ عسرت وعشرت کی دونوں منزلیں طے کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے رعایا کو بڑے آرام میں رکھا۔ اور جب تک زندہ رہا۔ رعایا کی نیک دعائیں حاصل کرتا رہا۔

راجہ سندرسین

۱۔ راجہ سندرسین بھی اپنے پیشرو حکمرانوں کی مانند نیک بخت

---

۵ عہد حکومت ۲۰۸۳ قبل مسیح لغایت ۲۰۴۳ ق م

نکلنا۔ اصل میں یہ سلسلہ راجہ ہردیو کے زمانہ سے چلا آرہا تھا۔
راجہ سلکن دیو۔ راجہ سنہادت۔ راجہ منگلادت۔ راجہ کھیم اندر
اور راجہ بھیم سین وغیرہ جو پانڈو خاندان کی یادگار تھے یہ بھی ایک
رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ بلکہ سندرسین کے عہد میں یہ رنگ اور
بھی تیز ہوگیا۔ مثل ہے کہ جیسا راجہ ویسی پرجا۔ عام لوگ بھی
رنگ رلیاں منانے لگے۔ شراب نوشی اور قمار بازی عام ہوگئی
اور لوگ خدا کو بھول گئے۔

۳۔ اس زمانہ میں ایک معمولی شخص سند گپت نامی نے اصلاح
کی۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ شخص ذات کا کمہار۔ مگر عابد
زاہد تھا۔ لیکن اس کا وطیرہ چونکہ عوام سے مختلف تھا۔ اس
لئے لوگ اس سے متنفر تھے۔ جب وہ انہیں شرک بدی اور
نیکی کرنے کی نصیحت کرتا اور کہتا تھا کہ یہ مجھے الہام ہوا ہے
تو اہل کشمیر اس کا مذاق اڑاتے۔ اور نازیبا حرکات کرتے تھے۔
حتیٰ کہ وہ نیک مرد ان کی طرف سے بالکل مایوس ہوگیا۔ کہتے
ہیں کہ اس کے بعد اسے بشارت ہوئی۔ اور وہ حسب حکم
خداوندی راجدھانی سندرمت نگر چھوڑ کر ایک پہاڑی
پر چلا گیا۔

۴۔ اب ایک سخت زلزلہ آیا۔ آدھی رات کو زمین تھرتھر کانپنے
لگی۔ شہر کی زمین پھٹی۔ اور نہریں جاری ہوگئیں۔ اور گرد
کے گاؤں تباہ ہوگئے۔ بمقام کیاوہ نیار (متصل بارہ مولا)
کے موقعہ پر پہاڑ کا ایک ٹکڑا گرا۔ جس سے دریائے بہت
(جہلم) کی روانی بند ہوگئی۔ تمام کامراج میں پانی ہی پانی
نظر آنے لگا۔ حتیٰ کہ سندمت نگر اور اس کے تمام باشندے

موت کی آغوش میں جا پڑے۔

۴۔ راجہ سندرسین نے ۴۱ سال حکومت کی۔ مگر اس حادثہ نے نہ صرف راجہ کا بلکہ اس کے خاندان اور سندہ مت نگر کے رہنے والوں کا نام ونشان مٹا دیا۔ کامراج میں صرف وہی لوگ بچے۔ جنہوں نے نندگپت کی نصیحت پر عمل کر کے شہر کی اقامت ترک کردی۔ اور دامن کوہ یا بلند مقامات پر چلے گئے۔ راجدھانی کی تباہی اور لوگوں کی بربادی کے بعد کوئی دو ماہ تک بدامنی اور بے اطمینانی کا دور دورہ رہا۔ آخر کار بڑے بڑے لوگوں نے صلاح ومشورہ کر کے ایک شخص "لو" کو کشمیر کا راجہ بنایا۔ جو راجگان مالوہ کی یادگار تھا۔ اور انقلاب حکومت کے زمانہ میں جلاوطن ہو کر کشمیر میں پناہ گزین ہو کر ایک جاگیردار کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

۵۔ سندمت نگر اس جگہ آباد تھا۔ جہاں آجکل وادیٔ کشمیر کی مشہور جھیل واقع ہے۔ آج سے پانسو سال پیشتر کشمیر کا مشہور اور ہردلعزیز بادشاہ زین العابدین عرف بڈشاہ ایک مرتبہ وُلر کی سیر کر رہا تھا۔ کہ اسے پانی میں سے ایک عمارت کے آثار نظر آئے۔ اس نے حکم دیا۔ کہ اس جگہ ایک ایسی عمارت تیار کی جائے۔ جو میرے عہد کی یادگار رہے۔ چونکہ ایام سرما میں وُلر کا پانی بہت کم ہو جاتا ہے اس لئے بادشاہ کو پانی کی روک پیدا کرنے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ غوطہ خور پانی میں سے دو مورتیاں بھی نکال لائے وہ عمارت جو نظر آ رہی تھی۔ اپنی طرز تعمیر اور مورتیوں کی وجہ سے صاف طور پر مندر معلوم ہو رہی تھی۔ سارے ملک میں یہ خبر ہوا کی طرح اڑ گئی۔ کہ شہر سندمت نگر جو آج سے کئی سو سال

بیشتر غرق ہو گیا تھا کے کھنڈرات اور مندر دور سے نکل آئے ہیں۔

۶۔ بادشاہ نے اس مقام پر ایک عالیشان اور خوبصورت عمارت زینہ لنک کے نام سے تیار کرائی جس کے آثار آج بھی ڈل میں نظر آرہے ہیں۔ اور جب پانی کم ہو جاتا ہے۔ تو ہر شخص ان کھنڈرات کو جن کا دور ۹۵ گز لمبائی اور ۷۵ گز چوڑائی میں ہے۔ دیکھ سکتا ہے۔

راجہ جلوک

جو اپنے جسم کا گوشت بھی دینے پر آمادہ ہو گیا

۱۔ راجہ جلوک[1]۔ راجہ اشوک کا بیٹا تھا جس نے نہایت ہی شان و شوکت سے حکومت کی۔ اور اس کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ اس کے نام سے بڑے بڑے حکمران کانپتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس راجہ کے پاس پارس پتھری تھی جس کے ذریعہ سونا بنایا جاتا ہے۔ اس نے اپنے ملک کے اندر سے ان لوگوں کو جو امن میں خلل ڈالتے تھے۔ نکال باہر کیا۔ اور دور دور کے ملک، فتح کر کے چکرورتی راج قائم کیا۔ ملکی انتظام کی تجدید کی۔ راجہ نے بہت سے اور اس کی نیک رانی ایشان دیوی نے ایک مندر ماترچکر[2] تعمیر کرایا۔ اس راجہ نے ایک مندر سرینگر میں بھی بنوایا۔ جس کا نام رودر کا مندر تھا۔ اس

[1] عہد حکومت ۱۳۷۴ ق م تا نہایت ۱۳۰۴ ق م [2] ماتاؤں کا مقدس حلقہ۔

مقام پر سوور چشمہ خود بخود پھوٹ نکلا۔ جس سے راجہ کو بے انتہا خوشی ہوئی۔

۴۔ راجہ جلوک۔ ایک روز دھنیور کو جا رہا تھا۔ کہ رستے میں اسے ایک عورت ملی۔ اس نے راجہ سے کھانا طلب کیا۔ راجہ بولا۔ ہاں میں تجھے ہر قسم کی غذا جو تجھے پسند ہو دینے کا عہد کرتا ہوں۔ یہ سنکر اُس عورت نے انسان کا گوشت مانگا۔ راجہ یہ سُنکر حیران ہوا۔ کیوں؟ ایک طرف تو اس نے عورت سے وعدہ کر لیا تھا۔ اور دوسری طرف وہ ظالم بننا نہیں چاہتا تھا آخر راجہ بولا۔ اچھا میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ کہ تم میرے جسم کے جس حصے سے جتنا چاہو اتنا گوشت لے لو! ——

وہ عورت یہ سن کر بولی "اے نیک راجہ! آپ اپنی بات کے پکے اور بڑے رحم دل ہیں۔ شائد آپ کا دھرم بُدھ دھرم ہے راجہ نے اس کا جواب دیا کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھی ہو۔ پس تم مجھے بتاؤ کہ بُدھ کون ہے؟

۵۔ عورت نے جواب دیا۔ حضور میری گذارش سنئے۔ مجھے بودھوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ جنہیں آپ غصہ میں آکر نقصان پہنچا چکے ہیں۔ ہم کرتیہ قوم کے ہیں۔ ہماری قوم کوہ لوکالوک کے قریب رہتی ہے۔ ہم بدھوں پر کامل اعتماد کر کے ان کی روشنی کے ذریعہ تاریکی سے نجات حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ میری حضور بدھ خاص آدمی ہیں۔ جہالت اور تاریکی سے آزاد ہیں۔ وہ تمام مخلوق کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔ وہ گنہگاروں پر بھی غضبناک نہیں ہوتے۔ بلکہ ان پر مہربانی ہی کرتے ہیں۔ وہ اس بات کے تمنائی ہیں۔ کہ اپنی روشنی ہر جگہ پھیلائیں

سری حضور! کچھ مدت پہلے کا ذکر ہے۔ کہ بدھ دھار (مندر) میں گھنٹہ بجا۔ تو اس سے حضور کی نیند اچٹ گئی۔ اس پر آپ کے بعض شریر مصاحبوں نے آپ کو غضبناک کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپ نے دھار مسمار کرا دیا۔ یہ دیکھکر بودھوں کو بھی غصہ آگیا اور انھوں نے مجھے آپ کے قتل پر مامور کیا۔ مگر میں نے آپ کی رحمدلی دیکھکر آپ کے قتل سے ہاتھ روک لیا ہے۔ لیکن میں اب بودھوں کی طرف سے التجا کرتی ہوں۔ کہ شریر لوگوں کے بہکانے سے آپ نے بودھوں کا دھار مسمار کرا دیا تھا پس آپ اب نیا دھار بنوا کر گذشتہ کی تلافی کریں۔ راجہ نے دھار بنوانے کا وعدہ کر لیا اور وہ عورت مطمئن ہوکر چلی گئی۔

۴۔ راجہ نے حسب وعدہ کرتیہ آشرم دھار تعمیر کرا دیا۔ یہ مندر سنہ ۶۳۱ء میں موجود تھا۔ "کرتی آشرم کے معنے ہیں "کرتی کا گھر"۔ مگر اس دھار کا بعد کا نام "کتس ہام" ہے۔ جو دریائے وتستا کے بائیں کنارے پر بارہ مولا سے ۵ میل نیچے کی طرف واقع تھا۔ اب دھار کے کھنڈر یا قصبہ کتس ہام موجود ہے۔ یہ راجہ بڑا زاہد اور عابد تھا۔ اکثر مراقبہ میں رہا کرتا تھا۔

راجہ نر (کنّر)

۱۔ جب کشمیر کا زبردست راجہ وبھیشن دوم ۳۶ سال حکومت کر چکا۔ تو اس کا فرزند راجہ نر[۱] تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس کا

---

[۱] عہد حکومت سنہ ۱۰۲۱ ق م لغایت سنہ ۹۸۰ ق م

دوسرا نام کینشر ہے ۔ کنیشر قوم کے لوگ اس کی شجاعت کے گیت آج تک گاتے ہیں ۔ وہ مدت تک عدل و انصاف اور ہوشیاری سے حکومت کرتا رہا ۔

۲ ۔ اس راجہ نے دریائے وتستا کے رتیلے کنارے پر ایک شہر آباد کیا ۔ اس کا نام نرپور تھا ۔ اور یہ چکردھر مندر کے قریب تھا ۔ اس کی منڈیاں مختلف اقسام کی اجناس ۔ سے بھری رہتی تھیں ۔ مسافروں کی آمدورفت کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی تھی ۔ اس میں خوشبودار پھولوں اور مفرح پھلوں کے بے شمار باغ تھے ۔ گویا یہ شہر دنیادی بہشت تھا ۔ اور اس میں دولت بھی بے قیاس تھی ۔

۳ ۔ اس راجہ کے زمانہ میں ایک عجیب اور دلچسپ واقعہ پیش آیا ایک نوجوان برہمن دتشاکھ رستہ چلتے چلتے تھک گیا ۔ دوپہر کا وقت تھا ۔ دھوپ خوب تیز پڑ رہی تھی ۔ برہمن نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے کمر کھول کر منہ ہاتھ دھویا ۔ پھر ستو گھول کر پینے کا ارادہ کیا مگر ابھی ہاتھ اٹھایا ہی تھا ۔ کہ اسی اثنا میں اسے پازیب کی جھنکار سنائی دی ۔ اور یہ بالکل نئی بات تھی ۔ اب جو وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے ۔ تو دو حسین نوجوان عورتیں اس کے سامنے کھڑی ہیں ۔ ان کا لباس آسمانی رنگ کا تھا ۔ اور ان کی آنکھیں نہایت چمکدار تھیں ۔

۴ ۔ برہمن ان کی شکلیں دیکھ کر کھانا پینا بھول گیا ۔ اور گھبرا گھبرا کر بار بار ان کے چہرے دیکھنے لگا ۔ یہ پری رو لڑکیاں دھان کے خوشوں سے چاول نکال نکال کر کھا رہی تھیں ۔ برہمن یہ دیکھ کر دل میں بولا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے ۔ کہ ایسی حسین

لڑکیاں ایسی ادنےٰ غذا کھائیں۔ اس کے بعد اس نے ان لڑکیوں کو بلاکر اور اپنے قریب بٹھاکر انہیں ستو کھلائے۔ اور پتوں کا دونا بناکر چشمہ کا صاف اور ٹھنڈا پانی پلایا۔

۵۔ جب وہ لڑکیاں کھا پی چکیں۔ تو وشاکھ پتوں کے پنکھے سے انہیں ہوا کرنے لگا۔ پھر بولا۔ میں برہمن ہوں۔ اس لئے آپ سے یہ دریافت کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ کہ آپ کس گلزار کے خوشنما پھول ہیں۔ اور کیا مجبوری ہے۔ کہ آپ ایسی بد ذائقہ غذا کھاتی ہیں۔ یہ سنکر ایک لڑکی بولی۔ ہم "تشتر و ناگ" کی بیٹیاں ہیں۔ اور چونکہ ہمیں اور کوئی خوشگوار غذا میسر نہیں آتی۔ اس لئے یہی کھاتی ہیں۔ میرا نام اراوتی ہے۔ اور میرے والد نے میری نسبت دو ہا دھرون کے راجہ سے کر دی ہے۔ اور یہ میری چھوٹی بہن چندر لیکھا ہے۔ برہمن نے یہ سنکر سوال کیا۔ مگر تم اس قدر مفلس کیوں ہو؟ جواب ملا کہ اس کی وجہ ہمارے باپ کو ہی معلوم ہے۔ پس آپ انہی سے پوچھ سکتے ہیں۔

۶۔ چند روز بعد وہ لڑکیوں کے باپ سے ملا۔ اور اس سے ان کی مصیبت کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا۔ جب کوئی حقیقی شریف آدمی کسی کی داستان مصیبت سنتا ہے۔ اور اپنے آپ میں اس مصیبت کے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو اس کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس کے خلاف اگر مصیبت کسی معمولی آدمی سے ظاہر کی جائے۔ تو وہ خود اس سے فائدہ حاصل کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح مصیبت زدہ کی دل شکنی کرکے اس کی تکلیف کو گھٹانے کی بجائے بڑھاتا ہے۔ یہی تو سبب ہے۔ کہ دانا انسان اپنی بد قسمتی (یا خوش قسمتی) کا راز عمر بھر چھپائے رہتا

ہے۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے۔ اگر بے سمجھ بچے اور نوکر
ایسی باتیں نہ ظاہر کریں۔ تو فہمیدہ و سنجیدہ شخص کی مصیبت کا
راز کوئی بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ مگر ان لڑکوں کی طفلانہ حرکات
سے چونکہ یہ راز تمہیں معلوم ہو گیا ہے۔ اس لئے اب اس کا چھپانا
چنداں مفید نہیں ہے۔ اے شریف آدمی! تم یقیناً فطرۃً نیک ہو۔
پس اگر ممکن ہو۔ تو ہمارے لئے کچھ کوشش کرو۔ دیکھو وہ آدمی
جو سامنے درخت کے نیچے بیٹھا عبادت میں مصروف ہے۔ یہی ہماری
مصیبت کا بانی ہے۔

۷۔ اس کے بعد وہ بولا۔ کہ یہ سر منڈا آدمی کھیت۔ ل کا رکھوالا ہے
جب تک یہ محافظ لوگ تازہ اناج نہ کھائیں۔ ہمیں بھی تازہ
اناج میسر نہیں آ سکتا۔ مگر یہ شخص تازہ اناج کھاتا ہی نہیں۔ اس
لئے ہمیں بھی تازہ اناج میسر نہیں آتا۔ بس یہی مصیبت ہے۔
اس عابد نے تازہ اناج نہ کھانے کا عہد کر لیا ہے۔ جب تک اس
کا عہد نہ ٹوٹے۔ ہمیں تازہ غذا نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کسی طرح
اس کا عہد توڑ سکیں۔ تو ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ محسنوں کے ساتھ کیا
سلوک کرنا چاہیے۔ برہمن نے یہ سنکر ان کی مدد کا وعدہ کیا۔ اور
وہ مدتوں سوچتا رہا۔ کہ عابد محافظ کو کس طرح دھوکہ دے کر تازہ
اناج کھلایا جا سکتا ہے۔

عابد محافظ ایک روز اپنی جھونپڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور قریب
ہی کھانا پک رہا تھا۔ کہ برہمن نے اس میں چپکے سے نیا اناج ڈال
دیا۔ چنانچہ کھانا کھاتے ہی اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ اور اس کے
ساتھ ہی ان کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

۸۔ لڑکیاں اور ان کا باپ وشاکھہ کو اپنے محل میں لے گئے۔

اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ شکریہ ادا کیا۔ کئی روز تک جشن اور عیش و عشرت ہوتے رہے۔ چند دنوں کے بعد جب وشاکھا نے رخصت مانگی۔ اور اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا۔ تو لڑکیوں کا باپ بولا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ میں تمہیں زبان دے چکا ہوں۔ وشاکھہ نے اس کے جواب میں اس تمنا کا اظہار کیا۔ جو مدت سے اس کے دل کی کوٹھڑی میں بند تھی۔ یعنی اس نے اس کی بیٹی چندر لیکھا طلب کی۔ اور زبان حال سے یہ شعر پڑھا ؎

مانگ جو کچھ مانگنا ہے آج لے حسن طلب
خود وہ کہتے ہیں بتا کس چیز کا خواہاں ہے تو

برہمن نے خوشی کے ساتھ اپنی خوبصورت بیٹی چندر لیکھا کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ اور جہیز میں بہت کچھ دے کر اپنی بیٹی اور داماد کو مالا مال کر دیا۔

۹۔ بدقسمتی سے راجہ نے چندر لیکھا کو دیکھ لیا۔ اور وہ اس کا خواستگار ہوا۔ اور انکار کرنے پر جبر کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وشاکھا اور اس کی بیوی کو راجہ کے ارادہ کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ چپکے سے وہاں سے چل دیے۔ چندر لیکھا نے اپنے خاوند کو اپنے باپ کے ملک میں جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی اپنی عصمت و آبرو بچانے کے لیے تکلیفیں اٹھاتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے جب چندر لیکھا کے باپ کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔ تو وہ غضبناک ہو گیا۔ اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے شہر نرپور کو جسے راجہ نے بڑے شوق سے آباد کیا تھا۔ تباہ کر ڈالا۔ مگر اس کے بعد کچھ تو اس پشیمانی سے کہ ایسا خوبصورت شہر خاک میں مل گیا۔ اور کچھ راجہ کے انتقام کے خوف سے یہ طاقتور برہمن اپنی بیٹی کو ہمراہ لیکر کسی دور

علاقہ میں چلا گیا۔

١٥ ا۔ راجہ نر پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا۔ شہر کی بربادی دنیا ہی کو اس نے اپنے اعمال کا نتیجہ سمجھا۔ اور چندر لیکھا کے واقعہ سے جو ناکامی مایوسی بدنامی اور شرمندگی اس کو ہوئی۔ اس نے اس کی صحت پر بہت بُرا اثر کیا۔ نہ نرپور پہلے کی طرح آباد اور سرسبز ہو سکا۔ اور نہ اس کی صحت برقرار رہ سکی صرف ایک لڑکے کے سوا جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس کے خاندان کے تمام افراد یکے بعد دیگرے اس کی آنکھوں کے سامنے چل بسے۔

نیک دل راجہ توبخین

جو اپنی رعایا پر اپنی پیاری جان قربان کرنے کو آمادہ ہو گیا

ا۔ راجہ توبخین[۱] اول کشمیر کا مشہور۔ نیک نام اور عادل حکمران تھا۔ جو اپنی رعایا کے ساتھ اولاد کی مانند محبت کرتا۔ اور سچے دل سے اس کی بھلائی چاہتا تھا۔ اس کی رانی واک پشٹا[۲] بھی بڑی نیک تھی۔ اور یہی سبب تھا۔ کہ رعایا بھی راجہ اور رانی سے ایسی ہی محبت کرتی تھی جیسی اولاد والدین سے۔

[۱] عہد حکومت ۱۲۸ ق م لغایت ۹۲ ق م [۲] صادق القول یعنی سچی اور بات کی پکی۔

۲ - ایک سال کشمیر میں غیر معمولی اور سخت برف باری ہوئی۔ جس کی نظیر تاریخ کشمیر میں نہیں ملتی۔ تمام فصلیں خراب بلکہ تباہ ہو گئیں۔ قحط نے رعایا کو تقریباً برباد کر دیا۔ گویا جنت میں قیامت آ گئی۔ ملک میں نفسی نفسی پڑ گئی۔ ان واقعات نے راجہ کے دل پر غیر معمولی اثر کیا۔ چنانچہ وہ ایک روز مایوس ہو کر اپنی رانی واک پشٹا سے بولا۔ مایوسی! اُف مایوسی! ہم نے ہزارہا تدبیریں کیں۔ مگر ایک بھی راس نہیں آئی۔ ملک کی مصیبت ذرا بھی تو کم نہیں ہوئی۔ شاید ایشور کو پسند نہیں۔ کہ ہم اس دنیا میں رہیں۔ رعایا مر رہی ہے۔ پس یہ میری شامت اعمال ہے۔ نہیں معلوم میں نے کونسا گناہ کیا ہے۔ کہ ملک پر تباہی آئی ہے۔ بیشک ملک پر تباہی راجہ ہی کے پاپ کرنے سے آیا کرتی ہے اس لئے مجھے زندگی نہیں بھاتی۔ میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے ملک کی تباہی نہیں دیکھی جاتی۔ ہاں اب میں اپنا یہ جسم آتش سوزاں کے حوالے کر دوں گا۔ بس یہی میرے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

۳ - یہ سنکر رانی بیتاب ہو گئی۔ اور آبدیدہ ہو کر بولی۔ حضور ایسی باتیں نہ کریں۔ خدا کرے سری حضور اس دنیا میں لاکھوں برس راج کریں۔ سرکار تو اپنی رعایا سے اولاد کی مانند محبت کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی رعایا کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنا تمام روپیہ ملک پر قربان کر دیا۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ پھر وزیروں۔ امرا میروں سے روپیہ لیا۔ اور اس تمام رقم کا غلہ غیر ملکوں سے منگا کر رعایا میں تقسیم کر دیا۔ اور کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ سن کر راجہ بولا۔ مگر میری کوششوں کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا۔ چنانچہ قحط

آج بھی ملک کو تباہ کر رہا ہے۔ رعایا اسی طرح بھوکی مر رہی ہے مجھ سے یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں مرجانے کا خواہشمند ہوں۔ رانی داک پشتا یہ سنکر زار زار رونے لگی۔ اور پھر دل سنبھال کر بولی۔ سری حضور ایسی بدفالی کی باتیں زبان سے نہ نکالیں۔ خدا آپ کو ہزار سال کی عمر دے۔ آپ نیک دل ہیں۔ نیک نیت ہیں۔ پس خدا یہ مصیبت جلد ٹال دے گا۔ ملک کا کشٹ دور ہو جائے گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اور ایشور سے امید رکھیں۔ بھلا اس کے گھر کسی بات کی کمی ہے۔

یہ۔ راجہ یہ سنکر اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ مجھے تو غم سے نجات گھڑی بھر بھی نہیں۔ دن ہو یا رات۔ چین ذرا بھی نہیں۔ آہ وہ راجہ بھی کیسا خوش قسمت ہے۔ جو رات کو پاؤں پھیلا کر سونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیتا ہے۔ کہ اولاد سے زیادہ میری پیاری رعایا۔ آرام سے سو چکی ہے۔ میں اپنی پیاری رعایا پر اپنی یہ ناچیز جان قربان کر دینا چاہتا ہوں۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ اسی طرح ادا ہو جائے۔ ایشور میرا یہ دان قبول کرے۔ اور میری پیاری رعایا اس مصیبت سے نجات پا جائے۔ نیک دل رانی نے راجہ کو ان باتوں کا جواب یہ دیا۔ کہ آپ کو ایسی قربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو نیک دل اور دانی راجہ ہیں۔ آپ نے تو کوئی پاپ یا ظلم نہیں کیا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ مایوس نہ ہوجیے۔ ایشور بھلی کریں گے۔ ملک کی مصیبت دور ہو جائے گی۔ اور جلد دور ہو جائے گی۔ سری حضور آپ مہاراجہ ہیں۔ دنیا کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ مصیبتیں بڑے ہی آدمیوں پر تو آتی ہیں۔ مگر بڑے دل کا کام یہ ہے۔ کہ وہ آنے والی مصیبتیں برداشت کریں۔

دل نہ چھوڑ بیٹھیں۔ معمولی آدمی مصیبتوں سے حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ ان میں برداشت کرنے۔ نیز ان کے دور کرنے کی لیاقت اور طاقت نہیں ہوتی ہے۔ مگر بڑے آدمی کبھی اور کسی حال میں بھی مایوس نہیں ہوتے۔ بلکہ مصیبتوں کو ٹال کر ہی دم لیتے ہیں۔ یہی تو بڑائی کا نشان۔ اور یہی تو بڑے ہونے کی علامت ہے۔ پس آپ بھی مایوس نہ ہوں۔ خدا تمام مصیبتیں دور کر دے گا۔

۵۔ نیک دل اور دور اندیش رانی کی ان دانشمندانہ باتوں نے فرشتہ سیرت راجہ کے دل پر اثر کیا۔ اس کے خیالات بدل گئے۔ اس کے دل میں رانی کی سچی باتیں بیٹھ گئیں۔ چنانچہ وہ رعایا کی تکالیف دور کرنے کی کوششوں میں منہمک ہو گیا۔ رانی بھی اس کی مددگار رہی۔ نیک مشورے دیتی۔ الغرض راجہ تو تخیین۔ اپنی رانی کے سمجھانے بجھانے سے خودکشی سے باز رہے انہوں نے مایوسی کے بعد ایک بار پھر کوشش کی۔ اور اس کا نتیجہ بھی عمدہ نکلا۔ گویا پتی ورتا رانی واک لشٹا کے قیمتی الفاظ نے راجہ کو زندہ کر دیا۔ چنانچہ اس نے اپنی سمجھ۔ عقل۔ استقلال ہمت اور طاقت سے کام لیا۔ اور رعایا کی بھلائی کی تدبیریں کرنے لگا۔ حتیٰ کہ آئی ہوئی مصیبت مل گئی۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ رعایا کی بے چینی دور ہو گئی۔ برفباری بند ہوئی۔ اور آسمان صاف اور شفاف نکل آیا۔

۶۔ عقلمند رانی نے نیک اور فیاض راجہ کو خودکشی سے بچا لیا اگر راجہ خدانخواستہ مایوسی کا شکار ہو کر اپنی جان کھو بیٹھتا تو قحط تو بدستور رہتا ہی۔ مگر مصیبت یقیناً اور بھی بڑھ جاتی۔

کیونکہ جب راجہ نہ ہوتا ۔ ملک میں بدامنی پھیلتی ۔ اور لوگ بھی مایوس ہو کر راجہ کی دنیا دیکھی شاید حرام موت مرنے لگتے ۔ اگر رانی اپنی عقلمندی کی وجہ سے بے حد تعریف کی مستحق ہے ۔ تو راجہ اس سبب سے تحسین و آفرین کا سزاوار ہے ۔ کہ وہ اپنی رعایا کے واسطے اپنی قیمتی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گیا ۔ اسی لئے ان دونوں کا نام نیک آج بھی زندہ ہے ۔ حالانکہ وہ ڈیڑھ ہزار سال سے اس دنیا میں موجود نہیں ہیں ۔ اور امید ہے ۔ کہ تاریخ ان کے نام قیامت تک زندہ رکھے گی ۔

۷ ۔ اس راجہ نے بہت سے شہر اور مندر تعمیر کرائے ۔ مدوراج کے علاقہ کو بڑی رونق دی ۔ اسی راجہ کے عہد میں چندر کا شاعر نے ایک عمدہ ڈراما تصنیف کیا ۔ جو خاص وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ۔ اس راجہ کے اولاد کوئی نہیں ہوئی ۔ استقلال ۔ اور ہمت بڑی چیز ہیں ۔ اور کامیابی کی کنجیاں ہیں ۔ نا امیدی کفر ہے ۔ پس جو لوگ کامیابی کے خواہاں ہیں ۔ انہیں چاہئے ۔ کہ ان پر خواہ کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آپڑے ۔ وہ مایوس نہ ہوں ۔ بلکہ خدا سے کامیابی کے امید وار رہکر کوشش کریں ۔ اور پھر کوشش کریں ؎

کامیابی کے لئے ہمت ہے شرط
آگے جو اللہ کو منظور ہو !

راجہ سندھی متی[1]

مفلسی کے بعد راجہ بنا مگر پھر حکومت پر خود لات ماردی

۱۔ اس راجہ کی داستان نہایت عجیب وغریب ہے۔ وہ پہلے کشمیر کے زبردست راجہ جے اندر کا وزیر تھا۔ اور اپنی خدمات نہایت دانشمندی سے انجام دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود راجہ اس سے بدظن اور اس کے خلاف ہوگیا۔ شریروں کی شرارت بے اثر نہیں رہی۔ ان لوگوں نے راجہ سے کہا کہ سندھی متی وزیر نہایت عالی دماغ آدمی ہے۔ اس لیے مجسم خطرہ ہے۔ پس اس سے ہوشیار رہیئے۔ الغرض راجہ اپنے وزیر سے بدگمان اور متنفر رہنے لگا۔ یہانتک کہ اس نے غضبناک ہوکر وزیر کو دربار سے نکال دیا۔ حالانکہ اس بات کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔ راجہ نے اس شریف آدمی کی تمام جائداد بھی ضبط کرلی۔ اور اس طرح اسنے اس کو باقی عمر کے لیے بے اثر و بے پر بنادیا۔

۲۔ جب بیچارہ وزیر افلاس اور گمنامی کی زندگی بسر کررہا تھا۔ تو ایک بھی درباری نے اس کی امداد کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بلکہ کبھی زبانی ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کیا۔ اس کی نیکی اور راست بازی ہمیشہ الٹے معنوں میں ظاہر کرتے رہے۔ سچ ہے

[1] عہد حکومت ۳۸۰۰ ق م لغایت ۳۷۳۳ ق م

جب دوسروں کی رائے پر چلنے والا راجہ کوئی خبر سنکر اس کی تصدیق کسی درباری سے کرنا چاہتا ہے تو درباری راجہ کی طفل تسلی کر کے خاموش ہو رہتے ہیں۔ یعنی سچائی کا اظہار نہیں کرتے۔

۳۔ سندھی متی پر یکایک یہ بلائیں نازل ہو گئی تھیں۔ مگر وہ صابر اور مطمئن تھا۔ اور ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ وہ اپنی باقی زندگی اسی حالت میں گذار دے گا۔ مگر افسوس کہ وہ بیچارا اس حالت میں بھی زندگی بسر نہیں کر سکا۔ کیونکہ ان دنوں یہ افواہ عام طور پر پھیل گئی۔ کہ سندھی متی کشمیر کا راجہ بنے گا۔ حتیٰ کہ یہ خبر شاہی محلوں تک بھی جا پہنچی۔ اب وزیر کے دشمنوں نے راجہ کو یہ یقین دلایا۔ کہ یہ افواہ خود معزول وزیر ہی نے پھیلائی ہے۔ اور یہ خطرہ سے خالی نہیں۔

۴۔ راجہ نے اس معاملہ پر خوب غور کیا۔ اور پھر اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ افواہ خود سندھی متی ہی نے اڑائی ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ مجھے اور میرے خاندان کو حکومت سے محروم کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اور خفیہ سازشوں میں شریک ہے۔ اور بہت ممکن ہے۔ کہ وہ اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہو جائے۔ اس بنا پر اس نے سندھی متی کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور وہ راجہ کی زندگی بھر یعنی کامل دس سال تک قید خانہ میں رہا۔

۵۔ جب راجہ جے اندر کا آخری وقت آیا۔ تو اس کو اپنے بے اولاد ہونے کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ سندھی متی کے راجہ بن جانے کا خیال ہر وقت اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگا۔ اس نے اس خلش کو دور کرنے کے لئے مقید اور معزول وزیر کے قتل

کا حکم دیا یہ سچ ہے کہ انسان اپنی ہی بہت چلاتا ہے ۔ مگر ہونی ہو کر رہتی ہے ۔ انسان قدرت کی منشا پر غالب نہیں آسکتا ۔ اگر قدرت اٹل کے کسی معمولی شعلے کی بقا چاہے ۔ تو انسان اس پر گھی پانی سمجھکر ڈال دیتا ہے ۔ جب جلادوں نے راجہ کو خبر دی کہ انہوں نے اسے رات کو سولی پر چڑھا دیا ہے ۔ اور وزیر ٹھکانے لگ گیا ہے ۔ تو راجہ نے اطمینان کی سانس لی ۔ مگر وقت چونکہ آپہنچا تھا ۔ اس لئے ۳۷ سال کی حکومت کے بعد اولاد کی حسرت لئے ہوئے چل بسا

۶ ۔ سندھی متی مرا نہیں ۔ بلکہ زندہ رہا ۔ اور تخت کشمیر کا مالک بنا ۔ وہ اگرچہ پھر دنیا دی جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا ۔ تاہم اس نے لوگوں کے اصرار سے راجہ بننا منظور کر لیا ۔ اور تخت نشینی کی رسمیں دھوم دھام کے ساتھ باقاعدہ ادا کی گئیں ۔ اور جب اس کی سواری شہر میں داخل ہوئی ۔ تو خاص و عام نے خوشی کے نعرے مارے ۔ اور چاروں طرف سے پھولوں اور بھنے ہوئے چاولوں کی اس پر بارش ہوئی ۔

۷ ۔ سندھی متی لائق اور تجربہ کار آدمی تھا ۔ اس کی حکومت کامیاب ہوئی ۔ اس نے بہت سی اصلاحیں کیں ۔ وہ رحم دلی سے حکومت کرتا رہا ۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی رعایا کی تمام شکایات اور تکلیفیں دور ہو گئیں ۔ وہ جنگلوں ، پہاڑوں اور وادیوں میں قدرت کے دلفریب نظارے دیکھنے کا بڑا شائق تھا ۔ وہ اپنا سارا وقت خدا کی عبادت میں یا رعایا کی بھلائی کے کاموں میں صرف کرتا تھا ۔ اس نے بہت سے مندر بنوائے ۔ اور ان کے لئے بڑے بڑے گاؤں وقف کئے ۔ بڑے بڑے مذہبی مکان تعمیر کرائے ۔ بت اور ترسول قائم کئے ۔ اس نے سرزمین کشمیر کو بارونق بنایا ۔ پرندھومبیشور

مندر بھی اسی نے تعمیر کرایا۔ اور اس کا نام اشیشور رکھا۔ وہ موسم بہار جنگل میں بسر کیا کرتا تھا۔ مگر موسم گرما میں جنگلات سے پرے برفستان میں چلا جاتا تھا۔ وہ راتوں کو سنیاسیوں کے پاس منجھکر رت جگا کیا کرتا تھا۔ اس راجہ نے ۴۷ سال حکومت کی۔ راجہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنا زیادہ وقت عبادت ہی میں صرف کرتا تھا۔ جس سے ملکی کاروبار میں خلل پیدا ہونے لگا۔

۸۔ انہی ایام میں کشمیر کے شاہی خاندان کا ایک شاہزادہ میگواہن نام جو آسام کے راجہ کی لڑکی کے سوئمبر میں شامل ہونے کے لئے گیا تھا۔ اور کامیاب ہوکر وہیں رہ پڑا تھا۔ اپنی رانی کے ساتھ کشمیر واپس آگیا۔ یہاں آکر اس نے دنیا ہی بدلی ہوئی دیکھی۔ لیکن راجہ کے بیحد عبادت گذار اور گوشہ نشین ہونے کی وجہ سے چونکہ ملک میں بے اطمینانی کی سی حالت تھی۔ اس لئے امرا وزرا نے شہزادہ کا دلی خوشی سے استقبال کیا۔ سندھی متی کو خبر ہوئی۔ تو اس نے حکومت پر عبادت کو ترجیح دی۔ چند دن کے بعد ایک دربار کیا اور حکومت ایک مقدس امانت کی مانند اہالیان ملک کے سپرد کردی۔

۹۔ اس نے معمولی سفید کپڑے پہنے اور ننگے سر پاپیادہ شمال کی طرف ریاضت کرنے چلا گیا۔ شہر کے بہت سے لوگ روتے دھوتے اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جنہیں راجہ نے بڑی مشکل سے واپس کیا۔ اور سندھی متی نے بھوتیشور کے چشمہ پر پہنچکر سب کپڑے اتار ڈالے اور جسم پر بھبھوت رمائی۔ اور سر پر جٹائیں باندھکر سادھو بن گیا۔ جبتک وہ جیتا رہا۔ اپنی شکم پری جنگلی پھل پھولوں سے کرتا رہا۔

راجہ میگواھن

۱۔ میگواہن[1] رعایا سے بڑی محبت کرتا تھا۔ انسانی ہمدردی اس کی رگ رگ میں موجود تھی۔ بلکہ اس نے حیوانات پر بھی رحم کھا کر گوشت خوری اور شکار بند کرا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی قصابوں چڑی ماروں اور شکاریوں کے وظیفے جاری کر دیئے۔ اور ان کو کاروبار کے لئے وظیفہ دیا۔ کیونکہ ان کی آمدنی کے ذرائع بند ہو گئے تھے۔ راجہ اپنی زندگی نہایت پاکیزگی سے بسر کرتا تھا۔ اس عہد میں مذہبی قربانی بھی آٹے کے بنے ہوئے جانوروں کی ادا کی جاتی تھی۔

۲۔ موضع میوشٹ گرام۔ اس راجہ نے تعمیر کرایا۔ علاوہ ازیں میگون نامی اگرہار۔ اور میگو مٹھ بھی بنوائے۔ اسی طرح اس کی رانی امرت پربھا نے بھی ایک عظیم الشان دھار۔ امرت بھون۔ غیر ملکی بھکشوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ دوسری رانی نے ایک عجیب وغریب دھار۔ ندون کے مقام پر تعمیر کرایا جس کے نصف حصے میں تو ایسے بھکشو رہتے تھے۔ جن کا چال چلن بالکل دھرم کے مطابق ہوتا تھا۔ اور باقی نصف حصے میں بال بچے اور مواشی اور جائیداد رکھنے والے لوگ رہتے تھے۔ رانی اندر دیوی نے اندر دیوی بھون نامی ایک دھار تعمیر کرایا۔ جس کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ علاوہ ازیں ایک بدھ مندر بھی بنوایا "اندر دیوی بھون" سرینگر کے قریب تھا۔

۳۔ میگواہن کی دیگر رانیوں کھادنا اور سمے وغیرہ نے بھی کئی دھار بنوائے۔ بارہ مولا سے تقریباً چار میل نیچے۔ اس وقت ایک موضع کھادنیار موجود ہے۔ جو دریائے وتستا کے دہنے کنارے پر آباد ہے

[1] عہد حکومت ۱۶ء لغایت ۳۵ء

یقین کیا جاتا ہے۔ کہ رانی کھا دنا کا دھار اس جگہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان رانیوں کے تعمیر کردہ دھاروں کا صحیح پتہ تحقیق نہیں ہو سکا۔

۴۔ راجہ میگواہن جیسا کہ لکھا جا چکا ہے نہ خود گوشت کھاتا اور شکار کھیلتا تھا نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتا تھا۔ وہ اپنے اس خیال کو مقدس خیال سمجھتا تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ تمام دنیا کو اس قانون کا عامل و پابند بنائے۔ اس نے اکثر راجاؤں سے عہد لیا کہ وہ قتل حیوانات سے باز رہیں گے۔ اسی خیال کو لیکر وہ ایک کثیر فوج کے ساتھ لنکا میں گیا۔ جہاں راجہ وبھیشن کے ساتھ اس کی بڑی شاندار ملاقات ہوئی۔ دونوں راجاؤں کے بھاٹ اپنے اپنے آقاؤں کی تعریفوں کے گیت بلند آواز سے دیر تک گاتے رہے۔ اس کے بعد راجہ وبھیشن میگواہن کو اپنے قلعہ اور شاہی محل میں لے گیا۔ اور تحفے تحائف اس کی نذر کئے۔ اور میگواہن کی درخواست پر اس نے شکار کھیلنا بھی بند کر دیا۔ اور گوشت خوری بھی ترک کر دی۔

۵۔ راجہ وبھیشن نے راجہ میگواہن کو ایسے جھنڈے پیش کئے۔ جن پر راکھشوں کی تصویریں ہوتی تھیں۔ اور اس سے مراد یہ تھی کہ راکھش اس کے مطیع ہیں۔ یہ جھنڈے پار دھوجا یعنی سمندری جھنڈے کہلاتے تھے۔ ایسے جھنڈے راج ترنگنی کے مصنف پنڈت کلہن کے زمانہ تک کشمیر کے راجے کسی مہم پر جانے کے وقت نیک شگون کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ راجہ میگواہن اس کے بعد اپنے وطن واپس آ گیا۔

۶۔ راجہ میگواہن کا زمانہ پُر امن و پُر عدل گذرا۔ نہ کوئی کسی حیوان پر ظلم کر سکا۔ اور نہ کسی انسان پر۔ اس نے چونتیس سال نہایت شان و

شوکت سے حکومت کی ۔ اس کے متعلق کئی دلچسپ اور عجیب و غریب روایات مشہور ہیں ۔ جو خلاف قیاس ہونے کے باوجود ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہیں ۔ کہ میگواہن ۔ عادل اور بے حد رحم دل راجہ تھا ۔

۷ ۔ روایت ہے کہ راجہ میگواہن ایک روز کھلے میدان میں سیر کر رہا تھا ۔ کہ یکایک آواز آئی ۔ چور ! چور ۔ اس نے حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا ۔ مگر کوئی آدمی نظر نہیں آیا ۔ آخرکار اس نے غضبناک ہو کر کہا کون ہے ۔ چور کی مشکیں کس لو ۔ اب آواز و فریاد بند ہو گئی ۔ تاہم چور کا وجود اب بھی کہیں نظر نہ آیا ۔ چند دنوں کے بعد راجہ کو تین خوبصورت عورتیں ملیں ۔ جو اس سے رحم کی طالب ہوئیں ۔ راجہ نے گھوڑا ٹھہرا کر ان کا حال پوچھا ۔ تو وہ ہاتھ جوڑ کر اور ڈنڈوت کر کے بولیں ۔ اے رحم کے دیوتا ! ابھی چند روز ہوئے ۔ کہ ہمارے شوہر ناگ بادلوں کی صورت میں آسمان پر چھائے ہوئے تھے ۔ کسانوں نے ژالہ باری کے خیال اور فصلوں کے خراب ہو جانے کے خوف سے چور چور کی آواز بلند کی ۔ اور حضور نے یہ آواز سنکر انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا ۔ پس ہمارے شوہر فوراً گرفتار کر لئے گئے ۔ اور انہیں زنجیروں میں باندھ دیا گیا ۔ آپ ان پر رحم اور عنایت کریں ! راجہ یہ سنکر مسکرایا ۔ اور اس کے خوبصورت چہرے پر ہمدردی کے جذبات نمایاں ہوئے ۔ اس نے باواز بلند حکم دیا ۔ کہ تمام ناگوں کو زنجیروں سے آزاد کر دیا جائے " ناگوں کی زنجیریں اس حکم کے ساتھ ہی ٹوٹ گئیں ۔ چنانچہ وہ آزاد ہونے کے بعد راجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ جھک کر سلام کیا ۔ اور شکریہ ادا کیا ۔

۸ ۔ درن کی داستان اس سے بھی زیادہ عجیب ہے ۔ روایت ہے کہ جب میگواہن سمندر کے راجہ درن کے ملک میں پہنچا ۔ اور جب

اس کا لشکر کھجور کے درختوں کے نیچے خیمہ زن تھا۔ اور راجہ دیگر جزائر ہیں جانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ تو اس وقت اس نے ایک آواز سنی۔ جو ساحل کی طرف سے آرہی تھی۔ یہ آواز کسی مصیبت زدہ کی تھی جو امداد طلب کر رہا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔ "میں راجہ منگو اہن کی حکومت میں قتل کیا جا رہا ہوں!" یہ آواز راجہ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ اور راجہ فوراً آواز کی سمت روانہ ہوا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے دیکھا۔ کہ ایک آدمی بیکسی کی حالت میں گردن جھکائے کھڑا ہے۔ اور ایک وحشی اس کی جان لینے پر آمادہ ہے۔ راجہ یہ دیکھکر فوراً بولا۔ کیا تجھے ایسا ظلم کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ظالم یہ سنکر بولا۔ کہ مہاراج! پہلے میری مصیبت کی داستان سن لیجئے۔ اور اس کے بعد مجھے ملامت کیجئے۔ بات یہ ہے۔ کہ میرے ایک ہی بچہ ہے۔ وہ سخت بیمار ہے۔ اور دیوتانے حکم دیا ہے۔ کہ اس کی جان قربانی ہی سے بچ سکتی ہے۔ پس اگر آپ نے مجھے اس بلیدان سے باز رکھا۔ تو میرا اکلوتا بیٹا نہیں بچ سکیگا۔ اور یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے۔ اور میں حضور کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میری اور اس کے تمام رشتہ داروں کی زندگی کا انحصار اسی بچہ پر ہے۔ مہاراج۔ جب آپ ایک ایسے بے یار و مددگار انسان کی مدد کر رہے ہیں۔ جسے جنگل کے اندر دنی حصوں سے نکالا گیا ہے۔ تو پھر میرے اکلوتے بچے .... پر کیوں مہربانی نہیں کرتے۔ جس کی زندگی کا تعلق اور بہت سی زندگیوں کے ساتھ ہے۔

۹۔ راجہ یہ بات سنکر سوچ میں پڑ گیا۔ ایک طرف ایک آدمی کی جان جاتی ہے۔ اور اگر اس کی جان بچائی جائے۔ تو پھر بچے

ضائع ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے گویا ایک خاندان ہی تباہ ہو جائے گا۔ خیر راجہ نے کچھ سوچکر دونوں کو تسلی دی۔ بچہ کے باپ سے کہا کہ میں تمہارے بچہ کی جان بچالوں گا۔ اور اسے بھی قتل نہیں ہونے دوں گا۔ تو میں اپنا بدن۔ دیوی کی نذر کرتا ہوں۔ تم مجھ پر تلوار کا وار کرو۔ اس بات کا اثر ان دونوں آدمیوں پر غیر معمولی ہوا۔ خصوصًا وحشی پر۔ چنانچہ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ مہاراج ادھیراج آپ کی دلیری اور عالی خیالی کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مجھے آپ کی ان باتوں نے سخت حیران کر دیا ہے۔ آپ کے برابر رحم دل۔ دنیا بھر میں کوئی نہیں ہوگا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۱۰۔ سرکار! آپ کی جان تو بڑی قیمتی ہے۔ پھر آپ اس کے ضائع کرنے پر کیوں تیار ہو گئے۔ مہاراج آپ کو تو اس دنیا میں مدت دراز تک رہنا اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اس شخص پر اس قدر رحم نہ کیجئے۔ اور مجھے حکم دیجئے۔ کہ میں اسے دیوی پر بھینٹ چڑھاکر اپنے بچہ کی جان بچالوں۔ خدا کرے۔ کہ آپ۔ میرا بچہ۔ اور آپ کی تمام رعایا زندہ اور سلامت رہے۔

۱۱۔ یہ سنکر راجہ بولا۔ تم جنگل کے باشندے ایثار کی قدر و قیمت کیا سمجھ سکتے ہو۔ میرا یہ جسم ایک روز فنا ہو کر رہے گا۔ پس میں اس کے ذریعہ غیر فانی شہرت حاصل کیوں نہ کروں۔ . . . . .

. . . . اور اگر تیری رحمدلی مجھے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تو کیا میری اپنی تلوار بھی میری مدد نہ کرے گی۔ راجہ نے ان الفاظ کے ساتھ ہی اپنی تلوار نیام سے نکال کر کھینچ لی۔ اور

وار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر کسی نظر نہ آنے والی طاقت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر غیب سے آواز آئی۔ کہ راجہ بھی زندہ رہے گا۔ وہ وحشی بھی۔ اور اس شخص کا بچہ بھی۔ اب ایک شخص سامنے آیا۔ یہ راجہ ورن تھا۔ وہ بولا کہ اب راجہ میگواہن تم امتحان میں پورے اترے۔ دنیا میں واقعی تمہارے برابر رحمدل انسان اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

راجہ ماترگیت[1]

وفاداری اور شرافت کی اعلےٰ مثال

۱۔ راجہ بکرماجیت کا نام تاریخ ہند میں نہایت مشہور ہے۔ گویا یہ راجہ قریباً دو ہزار سال گذر جانے کے باوجود آج بھی زندہ ہے۔ اس کا نام چندرگپت دوم بھی تھا۔ ملک مالوہ کا مشہور شہر اوجین اس کی راجدھانی تھا۔ اس کا دربار نہایت شان دار تھا۔ جس میں مشہور عالم فاضل اور شاعر جمع ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ ان سب کا قدر دان تھا۔ ماترگیت برہمن بھی جو شاعر تھا، پھرتا پھراتا راجہ بکرماجیت کے دربار میں جا پہنچا۔ وہ اس سے پہلے بہت سے درباروں میں رہ چکا تھا۔

۲۔ ماترگیت مدت تک راجہ بکرماجیت کا ملازم رہا۔ اور اس نے

[1] ۹۵ شہ تا ۱۰۲ سنہ ء

اپنی شرافت ۔ اعلےٰ قابلیت نیز وفاداری کا ثبوت بہم پہنچایا۔ لیکن اس کے باوجود وہ افلاس اور دیگر تکالیف میں پھنسا رہا۔ راجہ بکرماجیت اس کے اوصاف سے بے خبر نہیں تھا۔ مگر وہ اس کا امتحان کر رہا تھا اور یہ امر ماترگپت کے حق میں مبارک ہی ثابت ہوا۔

۳۔ ایک موسم سرما آیا۔ تو وہ گویا ماترگپت کے واسطے پیغام کامرانی لا یا کشمیر میں سرد ہوائیں چلنے لگیں۔ ککر پڑنے لگا۔ غبار اور دھند نے سرینگر کو چھپا لیا۔ رات نے سردی اور بھی چمکا دی۔ اتفاق کی بات کہ راجہ بکرماجیت کی آنکھ سوتے سوتے آدھی رات کو کھل گئی۔ اس وقت شاہی محل چراغوں اور شمعوں کی روشنی سے منور ہو رہا تھا۔ مگر سرد ہوائیں بھی پہنچ رہی تھیں۔ اس لئے چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ گویا سردی سے وہ بھی کانپ رہے تھے۔

۴۔ راجہ بکرماجیت نے ادھر ادھر دیکھا تا کہ ہدایت کرے۔ کہ بتیاں اُکسا کر چراغوں کی روشنی تیز کی جائے۔ پس اس نے آواز دی۔ کہ اس وقت پہرے پر کون ہے؟

کمرے کے تمام لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ تاہم کمرے کے باہر سے ایک آواز آئی۔ یہ آواز سردی اور تکلیف کا ثبوت دے رہی تھی۔ راجہ کے کانوں نے سنا: "غلام ماترگپت باہر حاضر ہے"۔ راجہ نے اسے اندر بلایا۔ اور اب ماترگپت قیمتی سامان سے آراستہ محل میں اس طرح داخل ہوا۔ کہ اسے راجہ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ سکا۔ راجہ نے اسے روشنی تیز کرنے کا حکم دیا۔ اور اس نے فوراً تعمیل کر دی۔ اور وہ اس کے بعد باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر راجہ نے اسے ایک منٹ کے لئے ٹھہرا لیا۔ اور اب سردی اور خوف سے کانپتا ہوا ماترگپت راجہ سے کچھ فاصلہ پر جا کھڑا ہوا۔

۵ - راجہ نے ماترگپت سے سوال کیا - رات کتنی گذر چکی ہے ؟ اس نے جواب دیا - سری حضور ! رات ڈیڑھ پہر باقی ہے - سوال ہوا کہ تم نے صحیح اندازہ کیونکر کیا - ؟ اور کیا وجہ ہے - کہ تم اب تک نہیں سوئے یہ سنکر ماترگپت نے ایک لمحہ تامل کر کے دل میں فیصلہ کیا - کہ خواہ مصیبت آئے - یا کوئی بہتری ہو - مجھے اپنی حالت بہر حال راجہ پر ظاہر کر دینی چاہیئے - اس نے یہ طے کر کے ایک گیت (نظم) فی البدیہہ کہا - جس کا مطلب یہہ ہے - کہ " میں سردی سے مغلوب ہو کر بھوک کے مارے عملاً خشک ہو جانے کی حالت میں اناج کی ڈنڈی کی مانند خیالات کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا - اور سردی سے پھٹے ہوئے اپنے نچلے ہونٹ کے ذریعہ بجھتی ہوئی آگ میں پھونکیں مار رہا تھا - نیند کسی تغافل شعار محبوبہ کی مانند مجھے چھوڑ کر خدا جانے کہاں چلی گئی ہے - اور میری رات اس زمین کی طرح کم ہونے میں نہیں آتی - جو کسی لائق شخص کو بطور انعام دی گئی ہو " - راجہ نے یہ کبت سنکر اس کا شکریہ ادا کر کے اسے باہر جانے کی ہدایت کی -

۶ - اب ماترگپت پہلے سے بھی زیادہ دل شکستہ ہو گیا - اور دل میں کہہ رہا تھا - کہ راجہ سے ملاقات بھی فضول ہی ثابت ہوئی - خشک شکریہ کو اوڑھوں یا بچھاؤں - آخر کیا کروں - یہ میری کوئی تکلیف کم نہیں کر سکیگا - ہاں راجہ کے منہ سے نکلے ہوئے شکریہ کے الفاظ ایسے ہی مہمل ہیں - جیسے کسی معمولی شخص کے الفاظ ہوتے ہیں - راجہ کو مجھ جیسے نیک آدمی پر اس طرح ظلم کرتے ہوئے کیا شرم نہیں آئی - آہ ! آج تو مرا دل مایوسی سے بالکل بھر گیا - ہاں اب کوئی امید نہیں - میں سنا کرتا تھا - کہ راجہ نیکی اور علم و فضل کا بڑا قدر دان ، مردم شناس اور شریف پرور ہے - مگر آج تو یہ سب کچھ غلط اور بالکل ہی غلط ثابت ہوا - اس کے

ساتھ ہی اس نے محسوس کیا۔ کہ گویا ایک بوجھ اس کے سر سے اتر گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ مجھے جو کچھ کرنا تھا۔ وہ میں کر ہی چکا۔ اور میرے شبہات رفع ہو گئے۔ آج مجھے امید کا بھوت چھوڑ گیا ہے۔ اس لئے مجھے ضرور خوشی ہو گی۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی۔ کہ میں نے دوسروں کی تقلید کی اور ان کی باتیں سنکر یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ میری خدمات راجہ کے قابل ہیں۔ دنیا کے لوگ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ لیکن پھر اس نے دل میں کہا۔ کہ اس راجہ نے اپنے بہت سے ملازموں کو مالا مال اور فارغ البال کر دیا ہے۔ پس میری محرومی کی وجہ میری نا قابلیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ورنہ راجہ کے بے عیب اور فیاض ہونے میں کلام نہیں ہے۔ پس اسے الزام دینا انصاف سے بعید ہے۔ مگر پھر اس کے خیالات بدل گئے۔ اور اس نے اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار راجہ ہی کو قرار دیا۔

۷۔ دن نکلا۔ تو راجہ کے چوبدار ماترگپت کو اس کے گھر سے بلا کر دربار میں لائے۔ اور یہاں چند فاضلوں اور اعلےٰ عہدہ داروں نے اس کا استقبال کیا۔ راجہ کی نظر اس پر پڑی۔ تو وہ مایوسی کا مجسمہ نظر آیا۔ تاہم اس نے جھک کر سلام کیا۔ اس پر راجہ نے ابرو کے اشارہ سے اپنے ایک وزیر سے کچھ کہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے ایک بند لفافہ ماترگپت کے حوالے کیا۔ اب راجہ بولا۔ ماترگپت تم ملک کشمیر سے ناواقف نہیں ہو۔ پس وہاں جاؤ۔ اور ہمارا یہ فرمان وہاں کے وزیروں کے حوالے کر دو۔ تمہیں ہماری قسم ہے۔ کہ یہ دستاویز رستہ میں تم یا کوئی اور شخص ہرگز نہ پڑھنے پائے۔ اور دیکھنا ہمارا یہ حکم کسی صورت میں نہ بھولنا!۔ یہ سنکر ماترگپت کے منہ سے نکلا۔ "جو حکم" مگر رستہ کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے اس کی روح کانپ گئی۔ چنانچہ اسکے

راجہ کا یہ حکم جواہرات کی روشنی نہیں بلکہ شعلہ معلوم ہوا۔ تاہم وہ تعمیل کے لئے مجبور تھا۔ چنانچہ وہ بادل ناخواستہ کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔

۸۔ ماترگیت مصیبتیں جھیلتا کشمیر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اسے رستے میں نیک شگون نظر آ رہے تھے۔ اور صرف اتنی ہی بات، اس کی تسلی کر رہی تھی۔ ورنہ مایوسی اسے ہر قدم پر ڈرا رہی تھی۔ کبھی، وہ دل میں کہتا۔ کہ راجہ کا احمق پن دیکھو۔ کہ مجھ جیسے لائق آدمی کو ایسے معمولی کام پر بھیجا۔ ورنہ نامہ بری کا یہ کام تو کوئی معمولی آدمی بھی کر سکتا تھا —— تاہم نیک فالیں کہتی ہیں۔ کہ راجہ کا یہ فرمان ضرور میری خوش نصیبی کا سبب بنے گا۔ اگر مجھکو کشمیر سے تھوڑا سا انعام بھی مل گیا۔ تو میں اس بےنظیر ملک کی روحانی فضیلت کے باعث اسے بھی قابل قدر سمجھونگا۔ خیر وہ جس قدر آگے بڑھتا گیا۔ اس کی تکلیفوں کا خاتمہ ہوتا گیا۔ اور رستے میں اس کی خوب خاطر تواضع ہونے لگی۔ اور اسی حالت میں اسے کوہ ہمالیہ کی وہ برف پوش چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ جو دہی کی تھالی کی مانند چمک رہی تھیں۔ اور جن پر سرسبز درخت ہوا کے خوش گوار جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔

۹۔ ماترگیت، اسی طرح جنگی چو کی کام بو پر آپہنچا۔ آجکل شور پورا اسی جگہ آباد ہے۔ اس لئے یہاں پہنچکر سنا کہ کشمیر کے وزیر کسی خاص وجہ، سے یہاں موجود ہیں۔ اور ان کے ارد گرد خاص و عام کا ہجوم ہے۔ بہر حال ماترگیت نے لباس تبدیل کیا۔ اور راجہ کا فرمان لے کر وزیروں کی طرف روانہ ہوا۔ مگر اس کی نیک فالوں کا نتیجہ دیکھنے کے لئے بہت سے جینی مسافر بھی اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ماترگیت کے ساتھ سفر کیا تھا

۱۰۔ دربانوں نے ماترگیت کو دیکھکر وزیروں کو اس کی آمد کی اطلاع دی۔ اور پھر اسے باعزت تمام وزراء کے محل میں لے گئے۔ جہاں تمام وزیروں نے اس کا استقبال کیا۔

اور اسے اونچی گدی پر بٹھایا۔ اور اس کے بعد راجہ کا فرمان طلب کیا
جب ماتر گپت نے کسی قدر جھجک کر وزیروں کو راجہ کا فرمان دیا۔
تو اول انہوں نے سر آنکھوں سے لگایا۔ پھر علیحدہ کمرے میں جا کر
اسے کھول کر پڑھا۔ اور کچھ دیر بعد واپس آکر قاصد سے سوال کیا۔ کہ کیا
ماتر گپت آپ ہی کا نام ہے؟ جواب ملا کہ ہاں! یہ الفاظ جوں ہی
ماتر گپت کے منہ سے نکلے۔ فوراً خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔ وزیروں
نے حکم دیا کہ تخت نشینی کے سامان مہیا کئے جائیں۔

۱۱۔ گدی پر بٹھائے جانے کی تیاریاں زور شور سے ہونے لگیں۔ لوگوں
کا ہجوم غیر معمولی ہو گیا۔ لوگ طرح طرح کے نعرے لگاتے تھے۔ مگر ماتر گپت
کو معلوم نہ تھا۔ کہ کون گدی پر بٹھایا جائیگا۔ تاہم یہ معمہ جلدی حل
ہو گیا۔ ماتر گپت کا منہ مشرق کی طرف کر کے اسے سونے کے تخت پر
بٹھایا گیا۔ اور بلند پایہ درباریوں نے اسے نہلا دھلا کر اور شاہانہ
لباس اور زیورات پہنا کر راج گدی پر بٹھا دیا۔ پس اب وہ سمجھا کہ راجہ
بکرماجیت نے مجھے کشمیر کا راجہ بنا دیا اور اس طرح مجھے سب سے بڑا انعام دیکر اپنی اعلےٰ قدردانی
کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ راجہ کے متعلق اس کے دل میں جسقدر بدگمانیاں تھیں۔ وہ سب
دور ہو گئیں۔ اور ماتر گپت اپنی غلط فہمی پر بہت نادم ہوا۔

۱۲۔ جب ماتر گپت گدی پر بیٹھا۔ تو رعایا کے ایک وکیل یعنی کونسل
کے ایک ممبر نے تخت کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے نئے راجہ کے سامنے
ایک لمبی تقریر کی جس کے چند فقرے حسب ذیل ہیں۔
"سری حضور! خدا کرے۔ کہ آپ ہمارے ملک پر مدتوں حکومت
کریں۔ ہمیں خوشی ہے کہ راجہ بکرماجیت نے آپ کو اپنا ہم رتبہ راجہ
سمجھ کر کشمیر کا راجہ بنا دیا ہے۔ اور ہم ان کے اور آپ کے شکر
گذار ہیں۔ ہم نے مہاراجہ بکرماجیت کو اس امر کی درخواست کی تھی

لیکن اب ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ آپ کسی اور کو اپنا ولی نعمت نہ سمجھکر ہماری اور اپنی عزت کی حفاظت کریں"۔ راجہ نے اس تقریر کا مناسب جواب دیا۔

۱۳۔ نمائندہ نے سچ کہا تھا۔ اور ماترگیت نے بھی یہ تسلیم کیا۔ تاہم اس کا دل راجہ بکرماجیت کی احسان مندی سے لبریز تھا۔ اس نے مستحق لوگوں کو انعام واکرام دیئے۔ اور تخت نشینی کا پہلا دن اسی شغل میں تمام ہوگیا۔ اگلے روز وزیروں نے درخواست کی۔ سری حضور راجدھانی تشریف لے چلیں۔ اس وقت ماترگپت نے ایک قاصد کے ہاتھوں اپنے محسن بکرماجیت کو عجیب وغریب اور قیمتی تحفے بھیجے۔ لیکن کچھ دیر بعد اسے خیال آیا۔ کہ کہیں میرا آقا یہ نہ سمجھے۔ کہ میں اس سے بڑھ جانا چاہتا ہوں۔ اس خیال نے اسے شرمندہ سا کردیا۔ اس لئے اس نے چند اور قاصد طلب کرکے خوشگوار پھل اور اسی قسم کی کم قیمت چیزیں راجہ بکرماجیت کی خدمت میں اس زبانی پیغام کے ساتھ بھیجیں۔ کہ مجھے اپنے وہ فرائض بخوبی یاد ہیں۔ جو آپ کی طرف سے میرے سر پر ہیں۔ اس کے بعد جب اسے اپنے آقا کی عجیب نیکیاں یاد آئیں۔ تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے ایک شعر فی البدیہہ لکھکر تیسرے قاصد کے ہاتھ راجہ بکرماجیت کی خدمت میں بھیجا۔ اس شعر کا مضمون یہ تھا۔ کہ "آپ نہ تو جوش کی علامت ظاہر کرتے ہیں۔ اور نہ شیخی ہی بگھارتے ہیں اور نہ فیاضانہ طبیعت کی نمائش ہی کرتے ہیں۔ البتہ ثمردار درخت کی مانند عمدہ پھل دیتے ہیں۔ اور آپ کی مہربانی کا نتیجہ۔ ایک نہ گرجنے والے مگر برسنے والے بادل کی مانند آخر میں نکلتا ہے۔

۱۴۔ اب راجہ ماترگپت فوجوں کے ہمراہ راجدھانی جاپہنچا۔ اور

نہایت دانشمندی کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ اور وہ عالی ظرف، فیاض دور اندیش اور بہادر حکمران ثابت ہوا۔ چند روز بعد اس نے رعایا کو ایک عام ضیافت دی۔ کہتے ہیں کہ کھانے میں سونے کا سفوف اور دیگر قیمتی چیزیں ڈلوائیں۔ اور اس سے کشمیر کا ایک بھی آدمی محروم نہیں رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ماتر گپت سوامن کا عظیم الشان مندر تعمیر کرایا۔

۱۵۔ پرورسین راجکمار توامان کا بیٹا تھا جب توامان کو اس کے بھائی راجہ ہرن دیو نے قید کر دیا۔ تو اس کی بیوی انجنا کشمیر سے بھاگ گئی۔ اور نگر کوٹ (کانگڑہ) چلی گئی۔ اور ایک کمہار کے ہاں پناہ گزین ہو کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ چونکہ حاملہ تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام پرورسین رکھا گیا۔ کمہار کی بیوی لاولد تھی۔ اس نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور وہ عام طور پر کمہار کا بیٹا ہی مشہور ہو گیا۔

۱۶۔ لیکن اس کے عادات و اطوار عام لڑکوں سے بالکل الگ تھے۔ باوجود ایک کمہار کے گھر پرورش پانے کے وہ ادنےٰ ذات کے بچوں سے علیحدہ رہتا۔ عام کھیل کود سے بھی نفرت کرتا۔ بلکہ اپنے اچھے لڑکوں میں بیٹھتا۔ اور راجوں مہاراجوں اور درباروں اور جلسوں اور جلوسوں کی نقلیں اتارتا رہتا جب کچھ بڑا ہوا۔ تو اس کی ماں رانی انجنا، اور اس کے ماموں جے اندر نے جو اپنی بہن کی تلاش کرتے کرتے نگر کوٹ آ پہنچا تھا۔ اس کو بتایا۔ کہ وہ کمہار کا بیٹا نہیں۔ بلکہ ایک راجہ کا بیٹا ہے۔ تو اس نے فن سپہ گری اور کشتی کے کرتب سیکھنے شروع کر دیئے۔ اور ان میں اس نے خوب شہرت حاصل کر لی۔

۱۷۔ پرورسین نگرکوٹ کی چار دیواری سے باہر نکلنے اور سیاحت کے تجربات حاصل کرنے کے لئے تیرتھ یاترا کو روانہ ہوا۔ وہ سیاحت ہی میں تھا۔ کہ اس نے اپنے چچا ہرن دیو کے لاولد انتقال کر جانے کی خبر سنی۔ اور پھر یہ سُنا کہ راجہ بکرماجیت والئے اوجین نے ماترگپت نام ایک برہمن شاعر کو کشمیر کا تخت و تاج سپرد کر دیا ہے۔

۱۸۔ ان خبروں نے اس کے مردہ ارمانوں میں از سر نو جان ڈال دی۔ اس کے باپ کے بعض رفقا اس کے ساتھ مل گئے۔ اور کشمیر کے بھی کئی لوگ اس کا حق سمجھکر اس کا ساتھ دینے کو آمادہ ہو گئے۔ پرورسین نے پنجاب کا بہت ساحصّہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس کے صلاحکاروں نے اس کو اپنے آبائی ملک کشمیر پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کے جواب میں اس نے کہا۔ کہ دو باتیں ہیں۔ جو مجھے اپنے آبائی ملک پر حملہ کرنے سے روک رہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ماترگپت ایک شاعر ہے۔ اس پر حملہ کرنا ایک ایسے شخص کی شان سے بعید ہے۔ جس کی رگوں میں نسلاً بعد نسلاً بادشاہی خون حرکت کر رہا ہو۔ دوسرے یہ کہ کشمیر میرا وطن ہے۔ میرا ملک ہے۔ اگر میں نے وہاں حملہ کیا۔ تو میرے اہل وطن ہلاک ہوں گے۔ ان کی فصلیں تباہ ہوں گی۔ وہ فاقہ کشی کا شکار رہوں گے۔ اور کئی لوگ بے موت مر جائیں گے۔ اس لئے ماترگپت کے پشت و پناہ راجہ بکرماجیت پر ہی حملہ کرنا مناسب ہے۔

۱۹۔ یہ سوچکر وہ اوجین کی طرف بڑھا۔ ابھی رستہ میں ہی تھا۔ کہ اس کو بکرماجیت کی وفات کی خبر ملی۔ پرورسین انہی قدموں واپس لوٹ آیا۔ اور آگے نہیں گیا۔ لاہور آکر خیمہ زن ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد بکرماجیت کے مرنے کی خبر کشمیر بھی جا پہونچی۔

جب ماترگیت نے یہ المناک سانحہ سُنا۔ تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کچھ تو بکرماجیت کے بعد بے دلی اور کچھ پردرسین کے خوف سے راج پاٹ چھوڑ کر وہ کاشی جی (بنارس) کے ارادہ سے ہندوستان روانہ ہوگیا۔ اور جب لاہور پہنچا۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ پردرسین بھی اسی جگہ مقیم ہے۔

۲۰۔ پردرسین کو بھی ماترگیت کے آنے کی خبر ہوئی۔ وہ چند امیر ہمراہ لےکر اس کے پاس گیا۔ اور ترک سلطنت کا سبب پوچھا۔ جواب ملا! وہ فیاض آدمی جس کی بدولت مجھے سلطنت ملی۔ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ پھر حکومت کا کیا مزا؟ سورج کی کرنیں جب تک آتشی شیشہ کی سطح پر پڑتی رہتی ہیں۔ تب تک وہ چمکتا رہتا ہے بعدازاں پتھر کی مانند تاریک ہوجاتا ہے۔ پردرسین نے کہا۔ آخر اس کے مرنے سے آپ کو کیا تکلیف پہنچی ہے۔ کہ آپ حکومت سے دستبردار ہوگئے ہیں۔ ماترگیت نے جواب دیا۔ میں ایک سچے برہمن کی مانند کامل تیاگ چاہتا ہوں۔ بکرماجیت کی موت میری خوشیوں کا خاتمہ کرگئی ہے۔ میرے آقا کے انتقال نے میرا دل رنج و غم سے بھر دیا ہے۔ اب تو یہی جی چاہتا ہے ع

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

۲۱۔ یہ سنکر پردرسین نے ماترگیت کی اشرافت۔ سعادت مندی اور وفاداری کی تعریف کی۔ اور کہا بہت کم لوگ ہیں۔ جو اپنے محسن کے احسانات اس کے مرنے کے بعد بھی یاد رکھتے ہیں۔ بکرماجیت نے آپ جیسے فرشتہ خصلت شخص کو کشمیر کا تخت و تاج دینے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ نیک دل پردرسین نے

ماترگپت سے بار بار کہا اور بہ اصرار کہا کہ آپ واپس کشمیر چلے جائیں اور بے کھٹکے حکومت کریں۔ لیکن ماترگپت انکار ہی کرتا رہا۔ اور یہی کہتا رہا۔ جو لفظ زبان سے نکال چکا ہوں۔ اب وہ واپس نہیں لے سکتا۔ پرورسین نے کہا۔ اگر آپ کو پہلے بکرماجیت نے سلطنت بخشی تھی۔ تو اب میں تخت کشمیر آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ ماترگپت نے کہا۔ میں تو بار بار انکار کر چکا۔ لیکن آپ کے عطیہ سے تو میرے لئے اور بھی مشکل ہے۔ کیونکہ اس طرح میں اگر آپ کا یہ انعام قبول کرلوں۔ تو آپ کی اور بکرماجیت کی فیاضی وسخاوت میں مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے بکرم کی فضیلت کو صدمہ پہنچتا ہے۔

۲۲۔ آخر ماترگپت کانشی جی کو چلا گیا۔ اور دس سال تک جب تک کہ وہ جیتا رہا۔ اسی جگہ عبادت وریاضت میں مصروف رہا۔ پرورسین نے کشمیر پر ۵۰ سال تک جاہ وجلال اور شان وشوکت سے حکومت کی اور جب تک ماترگپت زندہ رہا یہ اس کی شاہانہ خدمت کرتا رہا۔ سرینگر جو آج مملکت کشمیر کا دار الخلافہ ہے۔ راجہ پرورسین کا ہی آباد کیا ہوا ہے۔

بکرماجیت ماترگپت اور پرورسین کی زندگیاں ہم کو شرافت اعلیٰ اخلاق۔ دور اندیشی۔ نیکی اور وفاداری کے نہایت اچھے سبق دیتی ہیں۔

؎ سنہ ۱۰۲ء لغایت سنہ ۱۶۲ء

راجہ چندر پیڈ

اور اس کی انصاف پسندی

۱۔ راجہ چندر پیڈ[1]۔ راجہ پرتاپ ادتیہ ثانی کے بعد آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں تخت کشمیر پر جلوہ افروز ہوا۔ اور اس نے نہایت دانائی، شان و شوکت اور انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس کی دور و دور تک شہرت ہوئی۔ اس نے جدید اور مفید قانون بنائے۔ وہ حلم اور بہادری کی تصویر تھا۔ اس کا خزانہ رعایا کے لئے وقف تھا۔ کوئی شک نہیں کہ وہ خوش قسمت راجہ تھا۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا تھا۔ جو رعایا کی تکلیف کا باعث ہو۔ وہ اگرچہ ہر وقت قابل تعریف کام کرتا رہتا تھا۔ تاہم جب کوئی اس کی تعریف کرتا تھا۔ تو وہ ازراہ انکسار و شرافت، سر جھکا لیتا تھا۔ وہ اپنے وزیروں اور امیروں سے مشورہ لینے کا محتاج نہیں تھا۔ بلکہ خود انہیں نیک صلاح دیا کرتا تھا۔ اس نیک راجہ نے اپنی تمام ہمت اور کوشش بد رسوم کے مٹانے اور قیام امن و انصاف میں صرف کر دی تھی۔ الغرض راجہ چندر پیڈ اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتا تھا۔ اس کی فیاضی۔ اور انصاف کی نسبت سی کہانیاں مشہور ہیں۔

۲۔ جب راجہ چندر پیڈ نے تری بھون سوامن کا مندر تعمیر کرنے کا

---

[1] عہد حکومت ۷۰۳ء لغایت ۷۱۱ء۔

ارادہ کیا۔ تو اسی سلسلہ میں سرکاری آدمیوں کو ایک چمار کا مکان لینے
کی بھی ضرورت پیش آئی۔ جب تک وہ مکان مندر کے احاطہ میں
نہ آجاتا۔ اس کی تکمیل محال تھی۔ مندر کی تعمیر شروع ہو چکی تھی۔ اور
راجہ کے ملازم چمار کو مکان فروخت کرنے کے لئے مجبور کر رہے تھے۔
اور وہ مکان فروخت کرنے سے انکاری تھا۔ اس جھگڑے کی خبر
راجہ تک بھی جا پہنچی۔ اس نے حالات سنکر چمار کو نہیں بلکہ اپنے
آدمیوں کو قصور وار ٹھہرایا۔ چنانچہ وہ بولا خطا اس کی نہیں۔ بلکہ تمہاری
ہے۔ تمہارا فرض تھا۔ کہ مندر کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے اس چمار سے
فیصلہ کر لیتے۔ اس کی جھونپڑی خرید لیتے۔ اور اس کی قیمت اس کے
حوالے کر دیتے۔ خیر اب مندر کی تعمیر بند کر دو۔ یا مندر بنانے کا انتظام
کسی دوسری جگہ کرو۔ ہم کسی دوسرے شخص کی زمین جبریہ لے کر اس
نیک کام میں دھبہ لگانا نہیں چاہتے۔ ہم لوگوں کا فرض ہے۔ کہ ہم
نیکی اور بدی میں امتیاز کریں۔ پس اگر ہم بھی قانون شکنی اور بے ایمانی
کرنے لگیں۔ تو پھر سیدھے رستے کون چلے گا۔ نیک کام کون کریگا۔
ایمان داری کو کون اچھا سمجھے گا۔ کوئی بھی نہیں۔

۳ - نیک دل راجہ کی یہ باتیں سنکر ایک اجنبی بول اٹھا۔ مہاراج اگر
اجازت ہو۔ تو اس معاملہ میں چند الفاظ میں بھی کہوں۔ راجہ نے اس
سے پوچھا۔ تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں اس جھونپڑی
والے چمار کا وکیل ہوں۔ اور اس کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ راجہ نے اسے
اجازت دی۔ تو وہ شخص بولا۔ سری حضور! وہ چمار خود سری حضور سے
ملاقات کرنا چاہتا اور کہتا ہے۔ کہ اگر مہاراج مجھے دربار میں بلانا مناسب
نہ سمجھیں۔ تو کسی وقت باہر ہی ملنے کی اجازت دیں۔ مہاراج نے
سوچکر جواب دیا۔ اچھا ہم اس چمار سے کل دیوان عام میں ملیں گے

کہدیا کہ کل دس بجے آجائے۔ وہ شخص تو سلام کر کے چلا گیا۔ مگر درباری باہم اشارے کرنے لگے۔ اور آخر کار جب ان سے ضبط نہیں ہو سکا تو ایک بول ہی اٹھا۔ کیا ایک چمار سے ملنا سری حضور کی شان کے خلاف نہیں ہوگا۔ راجہ یہ سنکر بولا۔ کیوں شان کے خلاف ہوگا؟ کیا وہ آدمی نہیں ہے۔ کیا اسے ایشور کے سوا کسی اور نے بنایا ہے۔ اور کیا ایشور نے اسے ہوا پانی۔ غذا اور دیگر قدرتی نعمتوں سے محروم کر رکھا ہے! وزیر اعظم بولا۔ نہیں سری حضور نہیں۔ یہ سنکر نیک راجہ بولا۔ تو پھر ہم اس چمار سے کیوں نہ ملیں۔ کیا ہم اور وہ ایک ہی خالق کی مخلوق نہیں ہیں

۴۔ اگلے روز وہ چمار آیا۔ اور حسب وعدہ راجہ سے دیوان عام میں ملا۔ راجہ اسے دیکھکر بولا۔ کہ بھئی تم ہمارے مقدس کام میں کیوں رکاوٹ ڈال رہے ہو۔ اگر تمہیں وہ جھونپڑی پیاری ہے۔ تو اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ لے لو۔ یا اس کی بجائے عمدہ محل لے لو۔ بولو کیا چاہتے ہو! یہ سنکر چمار ادب سے بولا۔ سری حضور! اگر میں اپنا مافی الضمیر صاف الفاظ میں عرض کر دوں۔ تو کیا سرکار ایک منصف راجہ کی مانند نخوت و تکبر سے علیحدہ رہکر میری گذارش سنیں گے!

راجہ بولا۔ کہو کیا کہتے ہو؟

چمار بولا۔ میں کم از کم ایک کتے سے تو کم حیثیت نہیں ہوں۔ اور نہ سری حضور ہی راجہ اندر جی سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ جو شخص پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جسم گویا ایک کمزور ذرہ ہے۔ جو خود غرضی اور ذاتی گھمنڈ کی دولکیوں سے بندھا ہوتا ہے۔ سری حضور! میں اگرچہ ایک غریب آدمی ہوں۔ تاہم میرے اندر بھی اس قدر ذاتی احساس موجود ہے۔ جس قدر موتی اور زیورات وغیرہ میں ہوتا ہے۔ جس طرح آپ کو یہ

شاندار محل پیارا ہے۔ اسی طرح میری جھونپڑی مجھے بھی پیاری ہے۔
وہ جھونپڑی جس کی کھڑکی ایک ٹوٹی ہوئی ہنڈیا کا گھڑا ہے۔
سرکار! وہ جھونپڑی میرے بچپن سے بنزلہ میری ماں کے رہی ہے
اور میں نے اپنی خوش حالی یا بد حالی کے ایام۔ اس کے روبرو گذارے
ہیں۔ لہذا میں اس کا مسمار کیا جانا اور اس کی تباہی کیسے گوارا کرسکتا
ہوں! جس شخص کا گھر اس سے جبراً چھین لیا جائے۔ اس کی تکلیف
کا اندازہ یا تو وہ دیوتا کرسکتا ہے۔ جو بہشت سے نکالا گیا ہو۔ یا وہ
راجہ جس سے سلطنت اس کی چھین لی گئی ہو۔ لیکن اس کے باوجود
اگر سری حضور میری جھونپڑی تک آنے کی تکلیف گوارا کریں اور اتنی
سی بات کو ذلت نہ سمجھیں۔ بلکہ میرے ہاں آکر میری جھونپڑی کی
درخواست مجھ سے بہ آئین شائستہ کریں۔ تو پھر شاید مجھ سے بھی انکار
نہ ہو سکے۔ راجہ سوچ کر بولا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ہم تمہارے ہاں
ضرور آئیں گے۔

۵۔ مہاراجہ چندر پیڈ اپنے وعدہ کے مطابق چمار کی جھونپڑی میں پہونچا
اور اس سے جھونپڑی کی درخواست کی۔ اور کہا کہ تم اپنی جھونپڑی
ہمیں دے دو گے۔ تو مندر بنوایا جاسکے گا۔ یہ سنکر چمار نے جواب دیا
کہ مہاراج بھلا اب میں انکار کیسے کرسکتا ہوں۔ میں نے دیکھ لیا کہ
سری حضور میں ممنون کرنے کا مادہ بقدر مناسب و حسب قانون موجود ہے
سرکار جس طرح دھرم نے قدیم زمانہ میں کتے کا روپ بھر کر پانڈ دیتر
دید ھشٹر) کی آزمائش کی تھی۔ اسی طرح میں نے آج ایک اچھوت آدمی
کی حیثیت میں سری حضور کے راج دہرم کا امتحان لیا۔ آپ کو سچا اور
دھرم کا پکا پایا۔ آپ کی جے ہو۔ پرماتما آپ کو سلامت رکھیں۔ اور
آپ ہمیشہ اسی طرح دھرم کا کاج کرتے رہیں۔ پس اب یہ جھونپڑی

آپ کی ہے میری نہیں۔

۶۔ جھونپڑی راجہ کو مل گئی۔ اور راجہ نے اس کے عوض ایک بڑا محل چمار کو دیدیا۔ وہ خوش ہوگیا۔ اب دشنو سہری بھون سوامن مندر کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ حتیٰ کہ چند ہی ماہ کے اندر ایک عظیم الشان مندر بن کر تیار ہوگیا۔ اس انصاف کے دیوتا راجہ نے حکومت آٹھ سال اور آٹھ ماہ نہایت شان وشوکت کے ساتھ کی۔

۷۔ راجہ چندر پیڈ کیسا نیک دل۔ اور انصاف پسند راجہ تھا۔ اس نے ایک چمار کی جھونپڑی کے اندر جانا اور اس سے درخواست کرنا گوارا کیا۔ مگر چمار سے جھونپڑی زبردستی چھیننی پسند نہیں کی۔ اس نے جبر اور زبردستی سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ ظلم بہت بری چیز ہے۔ اگر راجہ یا بادشاہ ہی اپنی رعایا پر ظلم کرے۔ تو وہ ظلم آخر کار راجہ ہی کو تباہ کر دیتا ہے۔

۸۔ اسی طرح ایک برہمنی اور جادوگر کی کہانی ہے۔ لکھا ہے۔ کہ جب ایک برہمنی نے کھانا پینا چھوڑ کر ستیہ گرہ شروع کردی۔ تو راجہ کے وزیروں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے دربار میں آکر راجہ کے سامنے کہا۔ کہ یہ تو سچ ہے۔ کہ آپ اپنے زمانہ میں ہر قسم کی خرابیاں دور کررہے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود کسی آدمی نے میرے شوہر کو جبکہ وہ سویا ہوا تھا۔ قتل کردیا۔ کیا ایک اچھے راجہ کے لئے یہ ایک شرم کا مقام نہیں ہے۔ ایسا قتل واقعی شرمناک ہے۔ اور ایسا حادثہ دیکھکر آپ جیسے راجہ کا خاموش بیٹھے رہنا اور بھی قابل اعتراض ہے۔ میرا شوہر بے عیب آدمی تھا۔ اس لئے اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ وہ صلح جو اور سب کا دوست تھا۔ اور اس میں تمام خوبیاں موجود تھیں۔ تاہم میرا شبہ ناگشنک سوامن کے ایک برہمن پر ہے جو

جادوگر بھی ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ میرا شوہر اپنی فضیلت اور خوبیوں کی وجہ سے اس جادوگر کی شیطانی کا شکار ہوا ہے۔ پس اس سے بدلا لیا جائے۔ اور میرا انصاف کیا جائے۔

۹۔ راجہ نے برہمن جادوگر کو بلا کر اس سے باز پرس کی اور کہا کہ تم اپنے آپ کو اس الزام سے بے جرم ثابت کرو۔ مگر یہ سنکر مقتول کی بیوی بول اٹھی۔ مہاراج یہ بات اس کے واسطے نہایت آسان ہے کیونکہ یہ جادوگر ہے۔ راجہ یہ سنکر متفکر ہو گیا۔ اور بولا۔ پھر ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم مشتبہ حالات میں ایسے کوئی سزا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہ برہمن ہے۔ اور ہم تو جرم کے ثبوت کے بغیر کسی غیر برہمن کو بھی سزا دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

۱۰۔ برہمنی یہ سنکر چلائی۔ کہ میں نے چار روز سے انگل نہیں کھایا اور میں اپنے شوہر کے ساتھ محض انتقام لینے کی غرض سے ستی نہیں ہوئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے آپ میرا انصاف نہیں کر سکتے۔ اسلئے اب میں فاقہ کشی کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی۔

اس کے بعد راجہ بھی تین روز تک بھوکا رہا۔ انہی ایام میں ایک رات اسے خواب میں ایک دیوتا نظر آیا۔ جس نے بتایا۔ کہ برہمن جادوگر واقعی برہمنی کے خاوند کا قاتل ہے۔ اس خواب نے راجہ کی پریشانی اور فاقہ کشی دور کر دی۔ اور اس نے قاتل کو سزائے موت دی۔

راجہ للتادتیہ

ا ۔ راجہ للتادتیہ[1] راجہ تاراپیڈ کے بعد کشمیر اور چکرورتی راج کا مالک بنا۔ اس نے دور دور کے ملک فتح کئے۔ بہت سے سرکشوں کو مغلوب و مطیع کیا۔ اس کا زیادہ وقت میدان جنگ ہی میں گذرا۔ وہ عموماً سیاحت میں ہی رہتا تھا۔ اس نے یشوورمن کی فوجوں کو شکست دی۔ مگر بالآخر باہم صلح ہوگئی اب راجہ کی فوجیں مشرقی سمندر کی طرف بڑھیں۔ اور بہت سے جزیرے فتح کیے۔ مصنف راج ترنگنی نے لکھا ہے۔ کہ راجہ نے اہل دکن کو دھوتی کی ایسی بندش پر مجبور کیا۔ جس میں اس کا ایک حصہ دُم کی مانند زمین صاف کرتا رہتا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس سے مراد یہ لی گئی ہے۔ کہ وہ جانور ہیں۔

۲ ۔ راجہ للتادتیہ نے جابجا عمارات اور مندر تعمیر کرائے۔ سونشچت پور شہر بھی اس نے تعمیر کرایا۔ راجہ کی غیر حاضری میں اس کے میر عمارت نے شہر للت پور آباد کیا۔ دریائے وتستا کے پانی کی تقسیم کا اعلیٰ انتظام کیا۔

۳ ۔ راجہ کو ایک شخص رستہ میں پڑا ہوا نظر آیا۔ راجہ ہاتھی پر سوار تھا۔ اس شخص کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسے سخت سزا دی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ اور ناک کان کٹے ہوئے اور ان سے خون بہ رہا تھا۔ اس نے راجہ سے رحم کی التجا کی۔ اور اپنا یہ قصہ بیان کیا۔ کہ میں سندھ کے راجہ کا وزیر ہوں۔ میں نے اپنے آقا کو مشورہ

---

[1] عہد حکومت ۷۱۵ء لغایت ۷۵۲ء

دیا تھا۔ کہ وہ آپ کی اطاعت قبول کرے۔ اس پر اس نے غضبناک ہوکر میرا یہ حال کر دیا۔ حالانکہ میں اپنے راجہ کی خدمت تمام عمر نہایت وفاداری سے کرتا رہا۔ راجہ للتادتیہ اس کا یہ دردناک قصہ سنکر بولا۔ ہم اس بے رحم سے تمہارا انتقام لیں گے۔ راجہ نے اس مجروح پر بڑی بڑی مہربانیاں کیں۔ اس کا علاج معالجہ کرایا۔ حتی کہ اس کے زخم بھر گئے۔ اور وہ تندرست ہوگیا۔

۴۔ اس شخص نے ایک روز راجہ سے خلوت میں عرض کیا۔ کہ مہاراج اب میں صرف انتقام کے لئے زندہ ہوں۔ جب میری یہ خواہش پوری ہوجائیگی تو میری زندگی کا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔ میں اپنے دشمن کو جڑ بنیاد سے برباد کردینا چاہتا ہوں۔ پھر بولا کہ دشمن کا ملک یہاں سے تین مہینے کی راہ پر ہے۔ اور یہ مدت طویل ہے۔ اول تو اس قدر سفر کے بعد وہاں فاتحانہ طور پر پہنچنا ہی مشتبہ ہے پھر ممکن ہے۔ کہ اس اثنا میں دشمن کسی اور طرف نکل جائے۔ میں ایک ایسا رستہ بھی جانتا ہوں جو صرف پندرہ روز کا ہے۔ مگر وہ بیابان سے گزرتا ہے۔ اس لئے پانی ہمراہ ہونا چاہئے۔ آپ مطمئن رہیں میرے رشتہ دار رستے میں آباد ہیں۔ وہ آپ کی آمد پوشیدہ رکھیں گے۔ حتی کہ حضور کی فوج لجائے ناگہانی کی طرح دشمن پر جا پڑیگی۔ اور اسے برباد کردیگی۔

۵۔ راجہ معہ فوج کے روانہ ہوگیا۔ وہ شخص ہمراہ تھا۔ مگر پندرہ روز گذرنے کے بعد بھی منزل مقصود کا نشان نظر نہ آیا۔ اور فوجوں کے پاس جو پانی تھا۔ ختم ہوگیا۔ پھر راجہ نے اس حالت میں بھی جیسے تیسے کوچ کیا۔ مگر جب فوج پیاس سے نڈھال ہوگئی۔ تو اس نے اس اعضا بریدہ شخص کو اپنے روبرو بلاکر کہا کہ اب تو پندرہ کیا تیس روز بھی گذر چکے

مگر منزل مقصود کا نشان نہیں۔ اور پانی کا قطرہ قطرہ ختم ہو چکا۔ پس تم بتاؤ
کہ ابھی اور کتنا رستہ اور سفر باقی ہے۔ یہ سنکر وہ عیار مسکرایا اور بولا
کیا خوب! آپ تو چکرورتی راج کے خواہشمند ہیں۔ اور مجھ سے دشمن
کے ملک کا فاصلہ اور رستہ پوچھتے ہیں۔ حالانکہ جس رستے آپ جا
رہے ہیں۔ وہ دوزخ کا رستہ ہے۔ جناب بات یہ ہے۔ کہ میں
نے اپنے آقا کا فائدہ مدنظر رکھکر اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرکے
خود اپنی یہ حالت بنائی تھی۔ تاکہ اس حیلہ سے آپ کو اور آپ کی
فوج کو تباہ کروں۔ اور میں خوش ہوں۔ کہ اپنے ارادہ میں میں کامیاب ہو رہا
ہوں۔ جناب اس ریت کے سمندر کی کچھ انتہا نہیں۔ یہ تو بے پایاں
ہے۔ اور پانی کا نشان یہاں دور دور تک نہیں۔ آپ اور آپ
کی فوج آجکل ہی فاقہ کشی کی شکار ہو گی۔ اور یہی میرا مقصد تھا۔
اب تم لوگوں کی جان کوئی نہیں بچا سکتا

یہ سنکر تمام فوج کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ مردنی سی
چھا گئی۔ زندگی سے ناامید سپاہی آہ وزاری کرنے لگے۔ مگر راجہ
دوست نما دشمن کی یہ باتیں سنکر اور فوج کا حال دیکھکر اس شخص
سے بولا۔ کہ اے وزیر! تم نے اپنے آقا کی خاطر جو کچھ کیا۔ ہم اس
سے بے حد خوش ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ مگر جس طرح ہیرے پر لوہا ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح
میرا زبردست استقلال تمہاری عیاری کو پاش پاش کر دے گا۔
جیسے کوئی شخص مغالطہ کھاکر اور آگ کی چنگاری کو جواہر سمجھ کر اٹھا
لیتا ہے۔ اور انگلیاں جلنے پر افسوس کھاتا ہے۔ ویسے ہی آج تمہیں
بھی اپنے اعضاء بے نتیجہ کھو دینے پر افسوس ہوگا! دیکھو جس طرح زمین
بادل کی گرج سنکر قیمتی پتھر باہر نکالتی ہے۔ اسی طرح تم دیکھو گے۔

کہ اس ریگستان سے پانی برآمد ہوگا۔

۷۔ راجہ نے اپنے رفیق انجنیئروں کو دریا کھودنے کا حکم دیا۔ اور تمام فوج بھی اسی کام پر لگا دی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے آدمی ضائع ہوئے۔ مگر آخرکار ریگستان میں دریا بہہ نکلا۔ فوج سیراب ہوئی۔ اور آخرکار اس نے وزیر اور اس کے راجہ کو تباہ کر کے چھوڑا۔ راج دھانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور ملک پر قبضہ کر لیا۔

۸۔ راجہ ایک بار معہ محلات برہاس پور گیا۔ تو اس نے نشہ کی حالت میں اپنے وزیروں کو حکم دیا کہ اگر راجہ پر درسین کا تعمیر کردہ یہ شہر بہ لحاظ خوبصورتی میرے شہر کے برابر ہے۔ تو اسے ابھی جلا دو۔" وزیر یہ خوفناک حکم سن کر شش و پنج میں پڑ گئے۔ تعمیل کرتے ہیں تو مشکل! ناحق خلق خدا تباہ ہوتی ہے۔ اور عدم تعمیل کی حالت میں۔ اپنی جانوں کی خیر نہیں۔ آخرکار راجہ نے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اور وہ خوب ہنسا۔ مگر جب راجہ کا نشہ ہرن ہوا۔ اور یہ افسوس ہوا کہ اس نے شہر جلانے کا حکم دینے میں غلطی کی ہے۔ تو وہ بے چین اور نادم ہوا۔ اور سرد آہیں بھرنے لگا۔ یہ دیکھ کر وزیروں نے اس کی تسلی کی۔ کہ ہم نے شہر نہیں جلایا۔ بلکہ صرف بائل آننگ میں جا کر صرف گھوڑوں کی سوکھی گھاس جلائی ہے۔ یہ مقام بہت بلندی پر واقع تھا۔ یہ سنکر راجہ کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے وزیروں کی دانشمندی کی تعریف کی۔ اور آئندہ کے لئے حکم دیا کہ نشہ کی حالت میں میرے حکموں کی تعمیل نہ کی جائے۔

۹۔ راجہ للتا دتیہ نے بنگال کے راجہ کو قتل کرایا۔ مگر اس کے ملازمین نے بھی بڑی وفاداری اور جان نثاری کا ثبوت دیا۔ اپنے آقا کا انتقام لیا۔ گو خود بھی کٹ مرے۔ ایک مورخ بنگالیوں کے متعلق لکھتا ہے

جب یہ سانولی رنگت کے خون سے بھرے ہوئے آدمی تلوار کی ضربوں سے زمین پر گرتے تھے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا پتھر کے ٹکڑے سرخ کی چٹان سے سیال گیرو میں رنگ کر نیچے گر رہے ہیں۔ ان کے خون کی ندیوں نے ان کی غیر معمولی وفاداری کو روشن کر دیا۔

۱۰۔ راجہ للتا دتیہ نے زیادہ وقت غیر ممالک کی سیاحت اور فتوحات میں گذارا۔ وہ دور دراز علاقوں تک جا پہنچا۔ چنانچہ جب اس کے وزیروں کو مدت تک اس کی خیر خبر نہیں ملی۔ تو انہوں نے قاصد بھیجے۔ جو راجہ کے پاس جا پہنچے۔ چونکہ راجہ سے واپس آنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس لئے اس نے جواباً لکھا۔ کہ میرے لئے تازہ فتوحات زیادہ دلکش ہیں۔ راجہ نے اپنے وزیروں کو مفصل ہدایت نامہ بھی بھیجا۔ جس میں انتظامی معاملات کے متعلق بہت سے اصول لکھے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی لکھا۔ کہ اگر اس کی طبیعت میں تندی پائی جائے۔ تو تم اسکو معزول کر کے اس کی جگہ میرے چھوٹے بیٹے کو راجہ بنا دو اس قسم کی اور بہت سی نصیحتیں راجہ نے لکھکر اپنے وزیروں کے پاس بھیجیں۔ مگر خود نہ آیا۔

جان نثار وزیر

اس نے اپنے آقا پر جان قربان کردی

۱۔ جب کشمیر کا چکرورتی راجہ جیا پیڈ[۱] فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا۔ نیپال کی سرحد میں داخل ہوا۔ تو وہاں کا راجہ "ارموڑی" خوف کے مارے ملک چھوڑ کر کسی اور طرف نکل گیا۔ مگر جیا پیڈ اور اس کی فوجیں بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہوگئیں۔ جیا پیڈ کی فاتح فوج دریائے کال گنڈ کے کنارے اس مقام پر آپہنچی۔ جہاں وہ بالکل سمندر کے قریب بہتا ہے۔

۲۔ راجہ دو تین روز یہاں قیام کرنے کے بعد اپنی فوجوں کے ہمراہ جن کے جھنڈوں کے پھریرے ساحل بحر کی ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ مشرقی سمندر کی طرف چل دیا۔ جہاں راجہ ارموڑی کے پناہ گزین ہونے کی خبر ملی تھی۔ دریا کے دوسرے کنارہ پر جیا پیڈ نے جب دشمن یعنی نیپال کے راجہ ارموڑی کی عظیم الشان فوج دیکھی۔ تو اس کے دل میں شعلۂ غیظ و غضب بھڑک اٹھا۔ اس اثنا میں جب اسے معلوم ہوا کہ دریا کا پانی صرف گھٹنوں ہی گھٹنوں ہے۔ اور اسے بہ آسانی عبور کیا جا سکتا ہے۔ تو وہ گویا اندھا ہو کر دریا میں کود پڑا۔ اور اس نے اپنے لشکر کو بھی یہی حکم دیا۔ مگر لشکر جوں ہی منجدھار میں پہنچا۔ دریا کا

۱ حکومت عہد ۷۴۲ء تا ۷۶۹ء۔

پانی چڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ دریا ناقابل عبور ہو گیا۔ اور فوج کو موت کا خیال آنے لگا۔

۳۔ آخر کار، دیکھتے ہی دیکھتے۔ راجہ کے ہاتھی۔ گھوڑے۔ اور تمام فوج بہہ کر غرق یا نظروں سے غائب ہو گئی۔ زوردار لہروں نے راجہ کے زیور توڑ۔ اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور وہ خود بھی لہروں کی آغوش میں دور تک بہتا ہوا چلا گیا۔ یہ افسوسناک منظر دیکھکر دوسرے کنارے کی فوج خوشی کی تالیاں بجا رہی تھی۔ نیپال کے راجہ ارموڈی نے اپنے مشکوں والے آدمیوں کو حکم دیا کہ راجہ جیا پیڈ کو گرفتار کر لاؤ۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور فاتح جیا پیڈ نہایت آسانی سے گرفتار کر کے قیدخانہ میں ڈال دیا گیا۔ افسوس شامت اعمال نے کہاں دغا دی؟

۴۔ راجہ جیا پیڈ کے وزیر اعظم دیو شرما نے اپنے آقا جیا پیڈ کی گرفتاری کے بعد راجہ نیپال کے پاس سفیر بھیجے۔ اور ان کی معرفت پیغام دیا کہ میں حکومت کشمیر اور تمام خزانے آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ ارموڈی نے بھی اس کے پاس اپنے قاصد بھیجے۔ اور اب گویا یہ معاملہ طے ہو گیا۔ اس کے بعد دیو شرما کشمیری فوج لیکر نیپال آ پہنچا۔ اور کال گنڈ ندی کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ راجہ نیپال۔ دیو شرما کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا۔ اس نے بھی اطاعت اور دوستی کا حلف اٹھایا۔ وزیر بولا۔ سرکار! جیا پیڈ کا خزانہ فوج کے پاس ہے۔ اور اس کی ٹھیک جگہ یا تو راجہ کو معلوم ہے یا اس کے معتبر نوکروں کو۔ یہ سنکر راجہ بولا۔

پھر کیا کیا جائے۔ اس پر کیسے قبضہ ہو اوزیر نے جواب دیا۔

اب میں جاکر قیدخانہ میں جیا پیڈ سے ملتا ہوں۔ آپ ملاقات کا انتظام کرا دیجئے۔ میں اس سے خزانہ کا پتہ پوچھ لوں گا۔ کہوں گا۔ کہ تمہارا زرفدیہ ادا کر کے تمہیں رہا کراتا ہوں۔ یہ سنا۔ تو راجہ خوش ہو کر

بولا۔ ہاں ہاں۔ یہ ترکیب ٹھیک ہے۔ اب وزیر بولا! حضور میں تمام کشمیری فوج یہاں ایک خاص سبب سے نہیں لایا۔ جن فوجیوں کے پاس خزانہ ہے۔ انہیں مع خزانہ ایک ساتھ گرفتار کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ پس ہم انہیں ایک ایک کر کے بلاتے اور قید کرتے جائیں گے۔ تاکہ باقی سپاہی ہمارے منصوبہ سے خبردار نہ ہو سکیں۔ اور ہمارے جال میں بہ آسانی پھنس جائیں۔ اور سب کچھ ہمیں بتاویں۔ راجہ نے یہ تجویز پسند کی۔ اب وزیر بولا۔ تو میں اب قید خانہ میں جا کر جیا پیڈ سے ملاقات کرتا۔ اور اسے حکم دیتا ہوں۔ راجہ نے جواب دیا۔ کہ ہاں ہاں جلد جائیے۔ میں نے داروغہ کو حکم بھیج دیا ہے۔ وزیر یہ سنکر چلا گیا۔ اور راجہ کی خوشی کی حد نہیں رہی۔

۵۔ راجہ کا وفادار وزیر دیو شرما قید خانہ میں اپنے آقا راجہ جیا پیڈ کے پاس جا پہنچا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کے دل میں سابقہ دلیری اور جرأت موجود ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی تصاویر کے واسطے دیوار کی۔ یہ سن کر راجہ بولا۔ اگر موجود ہو بھی تو بیکار ہے! کیونکہ میں نہتا ہوں۔ قید میں ہوں۔ پس میری ہمت اس وقت کس کام آ سکتی ہے۔

وزیر نے جواب دیا۔ اگر طاقت آپ کے اندر موجود ہے۔ تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ ہم یہ مصیبت کا سمندر کیسے عبور کر سکتے ہیں۔ پھر وہ کھڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ کیا آپ اس کھڑکی میں سے دریا کے اندر چھلانگ مار سکیں گے!۔ دریا کے کنارے آپ کی فوج موجود ہے۔

اب راجا سوچ کر بولا۔ اگر کوئی شخص اس کھڑکی سے دریا میں کود سے تو وہ صرف ہوا سے بھری ہوئی مشک کے ذریعہ ہی اوپر اٹھ سکتا ہے ورنہ غرق ہو جائے گا۔ لیکن اگر مشک موجود بھی ہو تو اس قدر بلندی سے گر کر

اس کا پھٹ جانا یقینی ہے۔ پس اس قید خانہ سے نکلنا ناممکن ہے۔ مگر مجھے یہ بھی گوارا نہیں۔ کہ دشمن کی قید میں ذلت سے جان دوں! اُف ع
: پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

دیوشرما یہ سُنکر دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ اور اس کے بعد راجہ سے بولا۔ اچھا حضور کسی بہانہ سے صرف پاؤ گھنٹے کے واسطے باہر چلے جائیے۔ واپسی پر عبور دریا کا مکمل سامان آپ کو ملے گا۔ پس آپ اس سے کام لیجئے۔ یقیناً آزادی نصیب ہوگی۔

۔ راجہ اپنے وزیر کو تنہا چھوڑکر پاؤ گھنٹہ کے لئے اس کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ اور جب وقت گذار کر واپس آیا۔ تو وہ ایک خوفناک نظارہ دیکھکر کھڑے کا کھڑا رہگیا۔ اُف:

ایک آدمی زمین پر بے ہوش اور بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا۔ راجہ نے جلد معلوم کرلیا۔ کہ وہ مردہ ہے۔ اس کے گلے میں کپڑے کا ایک پھندا پڑا ہوا تھا۔ جس سے بظاہر اس کا دم گھٹ چکا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پھانسی دی تھی۔

راجہ نے غور سے دیکھا۔ تو اسے گردن پر لپٹے ہوئے کپڑے پر سرخی سے کچھ لکھا ہوا نظر آیا۔ اسے پڑھا تو خون سے لکھا تھا۔

اے راجہ! میں ابھی مرا ہوں۔ پس آپ میرے جسم سے (جو ہوا سے پھولا ہوا ہے) پھولی ہوئی مشک کا کام لیں۔ یہ نہ ڈوبنے والی مشک ثابت ہوگا۔ اس پر سوار ہوکر دریا عبور کیجئے۔ میری رانوں پر لپٹی ہوئی پگڑی سوار ہونے کے بعد آپ کی رانوں کو سہارا دیگی۔ آپ اس کے اندر ٹانگیں پھنسا کر دریا کے اندر چھلانگ ماردیں۔ (آپ کا جاں نثار دیوشرما)

راجہ یہ درد انگیز تحریر پڑھکر بولا! آہ پیارے دیوشرما! تم نے میری آزادی کے واسطے اپنی قیمتی جان قربان کردی۔ تم تو دیوتا

نکلی۔ اوہ! اس قدر وفاداری۔ اور ایسی جان نثاری تو آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔ مگر اب مجھے دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ اس نے اپنا خون نکال کر ناخون سے لکھا ہے۔ وہ یہ کہکر دیوشرما کی نعش کے ساتھ دریا میں کود ا۔ اور پھر اسی کے سہارے تیر کر اپنی فوج میں جا پہنچا۔ اور اس طرح اس نے دشمن کی قید سے نجات پائی۔

اسی دن جنگی بگل بجا دیا گیا۔ اب راجہ نیپال کی آنکھیں کھلیں۔ دیوشرما کے تصدق ہو جانے کی خبر بھی اسے پہنچ گئی۔ اور وہ سمجھا کہ وزیر نے جو کچھ سبز باغ لمبے دکھائے۔ وہ محض اپنے آقا کو چھڑانے کے حیلے اور بہانے تھے۔ وہ دانت پیسکر رہگیا۔ مگر بیلے نتیجہ۔

راجہ جیا پیڈ کی فوج نے نیپال راج کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس ملک پر بھی قبضہ کر لیا۔

۷۔ راجہ جیا پیڈ۔ راجہ سنگ رام پیڈ کی وفات کے بعد تخت کشمیر پر بیٹھا اس نے بہت سے راجاؤں کو مغلوب کیا۔ راجہ ج‌ج کو بھی شکست دی۔ اور علمی سرپرستی کر کے علماء و اہل ہنر کی قدر دانی کی۔ بہت سے مندر اور شاندار شہر تعمیر و آباد کرا دیے۔ راجہ بھیم سین کو مغلوب کیا۔ اور گو یا دنیا فتح کر ڈالی۔

اس نے ۳۱ سال تک حکومت کی۔ ان فتوحات نے اسے آخر میں متکبر اور ظالم بنا دیا۔ لیکن راج ترنگنی میں لکھا ہے۔ انہی ظلم انیوں کی وجہ سے اس کی موت بھی بڑے عذاب کے ساتھ ہوئی۔

اس کہانی سے بہت سے سبق لئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ اگر راجہ جیا پیڈ دور اندیشی سے کام لیتا۔ اور آنکھیں بند کر کے دریا میں نہ کود پڑتا۔ تو قید کی مصیبت میں نہ گرفتار ہوتا۔ کام کرنے سے پہلے اس کا فائدہ نقصان اور انجام سوچنا نہایت ضروری ہے۔

۲۔ اگر نیپال کا راجہ لالچ میں اندھا ہو جاتا۔ تو دیوشرما کے دام فریب

میں پھنس کر اپنی سلطنت اور جان نہ کھو بیٹھتا۔ طمع بہت ہی بُری چیز ہے۔ یہی تو آدمی کو تباہ کر دیتی ہے۔ پس اس سے بچنا چاہیئے۔

۳۔ اگر وزیر دیو شرما اپنے آقا پر جان فدا نہ کر دیتا۔ تو آقا قید ہی میں پڑا پڑا سڑ جاتا۔ ہم اس کی دلیری سے وفاداری۔ نیز بنی نوع انسان کی خدمت گزاری کا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

۴۔ اگر راجہ جیا پیڈ ظلم نہ کرتا۔ تو اس طرح تباہ نہ ہوتا۔ ظلم بہت ہی بُری چیز ہے۔ یہ دوسروں کو نہیں۔ بلکہ خود ظالم ہی کو تباہ کر ڈالتا ہے۔

شور ورمن وزیر

اس نے اپنی عزیز ترین چیز قربان کر کے وفاداری کا ثبوت دیا

۱۔ راجہ اونتی ورمن کشمیر میں ۸۵۲ء سے ۹۰۰ء تک حکومت کرتا رہا ہے۔ آج ہم اس راجہ کے وزیر شور ورمن کی وفاداری کی حیرت انگیز کہانی تمہیں سناتے ہیں۔ راجہ اونتی ورمن ایک روز مندر میں پوجا کرنے گیا۔ اور جب وہ دیوتا پر اپنی شان کے مطابق چڑھاوا چڑھا چکا تو اسے نظر آیا۔ کہ دیوتا کے آگے کڑوی جنگلی گھاس "اتپل شاک" رکھی ہوئی ہے۔ آجکل اہل کشمیر اس گھاس کو ادپل ہاک کہتے ہیں۔ اور یہ کشمیر میں اب بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہ کڑوی ہے۔ مگر ابالنے سے کڑواہٹ دور ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے بن باسی رشی اسی کو کھایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ کڑوی گھاس بُت کے سامنے پوجاریوں ہی نے رکھی تھی۔ پس راجہ نے ان سے فوراً اس کا سبب پوچھا۔ تو ان کا

سردار ہاتھ جوڑ کر بولا۔ سری حضور! دھنو ڈامر نے اس مندر کے متعلقہ گاؤں
چھین لئے ہیں۔ اس لئے ہم دیوتا کی سوگندھ کس بات کے سوا اور کیا کہہ
سکتے ہیں۔ دھنو لہر کے علاقہ میں رہتا اور بڑا طاقت ور اور شورہ پشت
ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے وزیر شور درمن نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔
بلکہ اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ اس سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ اس بات نے راجہ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ چنانچہ وہ پوجا چھوڑ چھاڑ کر
اور درد قولنج کا بہانہ کر کے زمین پر گر پڑا۔ مگر اس طرح گویا اس نے ان
پوجاریوں کی باتیں سنی ہی نہیں۔ راجہ کے اس درد کی اطلاع شور درمن
وزیر کو دی گئی۔ اور اس نے دل میں کہا۔ کہ اس میں ضرور کوئی راز ہے
پس اس نے تحقیقات شروع کر دی۔ اور آخر کار اس کا اصل سبب معلوم
کر لیا۔ اس کے بعد وہ بھیرد کے مندر میں گیا۔ جو اس مندر کے قریب ہی تھا
جس میں راجا پوجا کے لئے گیا تھا۔ اس نے ہجوم منتشر کر کے صرف چند ہی
آدمی وہاں رہنے دیئے۔ اب دھنو ڈامر کو بلانے کے لئے قاصد بھیجنے شروع
کئے۔ یہاں تک کہ وہ خونخوار ڈامر آ پہنچا۔ وزیر نے فوراً ہی اپنے آدمیوں
کو اشارہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان لوگوں نے ڈامر پر تلواروں سے
حملہ کیا۔ اور اب دھنو ڈامر کا کٹا ہوا سر بھیرد کے بت کے سامنے خون
میں لتھڑا ہوا پڑا تھا۔ وزیر نے نعش قریب کے تالاب میں پھینکوا دی۔

۳۔ یہ خبر راجہ نے بھی جلد سن لی۔ اور اس کا وہ غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ جو
اس کے دل میں وزیر کی طرف سے تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وزیر نے نہایت
بڑی قربانی کر کے وفاداری کا ثبوت دیا۔ اس بات نے اسے ایک حد
تک پشیمان کر دیا۔ وزیر راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مزاج پرسی
کی۔ تو راجا نے کہا۔ کہ مجھے آرام ہے۔ درد دور ہو گیا ہے۔ یہ سنکر وزیر
نے راجہ کو اٹھایا۔ اور اس کی نا مکمل پوجا مکمل کرائی۔ اور اس طرح دانشمند

وزیر نے ایک ایسے دوست کو قربان کر کے جو اسے بیٹے سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اپنے آقا سو ابنی اعلیٰ وفاداری کا ثبوت دیا۔

۴۔ شوروسن وزیر کی کہانی۔ ہم سب کو سبق سکھاتی ہے۔ کہ ہمیں اپنے آقا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا چاہئے کہ حقیقی وفاداری یہی ہے۔

سویا بائے سولپور
جس نے اپنے وطن کی عظیم الشان خدمت ادا کی

۱۔ راجہ اونتی ورمن کے زمانہ میں ایک غریب اور ادنےٰ ذات کی عورت سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی۔ کہ اس اثنا میں اس کی نظر مٹی کے ایک بڑے سے برتن پر پڑی۔ اس کے اوپر ڈھکنا رکھا ہوا تھا۔ عورت نے ڈھکنا اٹھا کر دیکھا۔ تو اسے اس میں ایک نوزائیدہ بچہ نظر آیا۔ جو اپنی انگلیاں چوس رہا تھا۔ اور جس کی آنکھیں کنول کی پتیوں کی طرح خوبصورت تھیں۔ وہ اس بچہ کو اٹھا کر اپنے گھر لے آئی۔ اور اس کی پرورش کرنے لگی۔ اس نیک بخت عورت کا نام سویہ تھا۔ وہ مجہول بچہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ سویہ جوان ہو کر بڑا ذہین ثابت ہوا۔ اور وہ تحصیل علم کے بعد مکتب پڑھانے لگا۔ وہ دانشمند ہونے کے علاوہ عبادت گذار تھا۔ شریف اور نیک آدمی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اس سے فیض صحبت حاصل کیا کرتے تھے۔

۲۔ انہیں دنوں کشمیر میں طغیانی نے زور دکھایا۔ اور خاص و عام اس کی تباہی سے کانپنے لگے یہ حال دیکھ کر سویہ بولا۔ میں یہ مصیبت دور

تو کر سکتا ہوں۔ مگر وسایل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ کشمیر میں جھیل مہا پدم
کی وجہ سے اکثر طغیانی آتی رہی۔ اس میں بہت سی ندیاں آ کر گرتی
تھیں۔ اسی لئے زمین میں پیداوار بہت کم ہوتی تھی۔ مگر جب راجہ للتادتیہ
کی سخت محنت کی بدولت اس کا پانی کسی قدر خارج کر دیا گیا۔ تو اس میں
کچھ پیداوار ہونے لگی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد غافل اور کمزور
راجاؤں کے زمانے میں رفاہ عام کام کم ہو گئے۔ آئے دن کی قحط سالی
انہی غفلتوں کا نتیجہ تھی۔ اور اس نے یہاں تک قیامت برپا کی۔ کہ ایک ایک
کھاری (خرداں) چاول ایک ہزار پچاس دینار تک کو فروخت ہو گئے۔

۴۳۔ سویہ اپنی رائے پر قائم رہا۔ اور اس نے اس بات کا ذکر بار بار کیا
حتیٰ کہ یہ بات جاسوسوں نے راجہ اونتی ورمن کے کانوں تک بھی پہنچائی
راجہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ دربار میں بلا کر اس سے بہت سے سوالات کئے
گئے۔ جن کا سویہ نے متانت اور استقلال سے جواب دیا۔ گو اسے درباریوں
نے پاگل سمجھا۔ تاہم راجہ نے اس کا امتحان لینے کے لئے خزانہ کی کنجیاں
اس کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ وہ شاہی خزانہ سے دیناروں کی بھری
ہوئی بہت سی دیگیں نکلوا کر لے گیا۔ اور کشتی پر سوار ہو کر مدوراج پہنچا۔
اور اس مقام میں (جہاں موضع نندک طغیانی کے پانی میں غرق ہو گیا
تھا) دیناروں کی ایک دیگ ڈلوا دی۔ اور خود وہاں سے واپس چلا آیا۔
اب درباریوں نے راجہ سے کھلم کھلا کہا کہ سویہ دیوانہ ہے۔ مگر راجہ
نے سویہ سے گفتگو کر کے اس کے خیالات اور تجاویز بغور سنیں۔ اور
اس کی کارگذاری سے دلچسپی کا اظہار کر کے نیک نتائج کا انتظار کرنے لگا
اب سویا اشرفیاں لئے ہوئے کرم راج میں مقام کیش در پر
پہنچا۔ اور دینار دونوں ہاتھوں سے پانی کے اندر پھینکنے شروع کئے۔
یہاں چٹانیں۔ پہاڑوں سے کھسک کر دریا کے کناروں پر آ پڑی تھیں

اور انہوں نے دریائے وتستا کا پاٹ اس قدر کم کر دیا۔ کہ پانی چکر کھاتا ہوا گزرتا تھا۔ خیر دیہاتی لوگ دینار تلاش کرنے کے لئے پانی میں گھس گئے۔ اور اسی لالچ کے جوش میں دریا کے اندر سے انہوں نے سب چٹانیں نکال ڈالیں۔ حتیٰ کہ دریا کی تہ صاف ہو گئی۔ پانی دو تین دن تک نکالا جاتا رہا۔ اور اس طرح بہت کچھ کم ہو گیا۔ اب اس نے بہت سے راج مزدور بلا کر ایک مقام پر دریا کے اوپر بند بندھوایا۔ اور اس نے تمام دریا۔ سات دن تک سنگین بند کی تعمیر کے لئے رکوا دیا۔ اور یہ ایک بالکل انوکھی بات کی۔ اس نے دریا کی سطح صاف کرائی۔ اور پتھر کی دیواریں اس غرض سے بنوائیں۔ کہ دریا ان چٹانوں سے محفوظ رہے۔ جو اس میں بہ کر آ جایا کرتی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے بند کھلوا دیا۔ بند کے کھلتے ہی دریا آگے کو خوب تیزی سے بڑھا۔ اور پانی بہت کم ہو گیا۔ حتیٰ کہ مچھلیاں ادھر ادھر دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔

۵۔ سویا نے ایک کام اور کیا۔ یعنی اس کے خیال میں جہاں جہاں طغیانی سے پانی بہ نکلنے کا اندیشہ تھا۔ اس نے دریا کی سطح پختہ بنوا دی۔ پہلے سندھو اور وتستا، دونوں عظیم الشان دریا دینیہ سوامن مندر کے قریب مترگرام کی بائیں اور دائیں جانب بہ کر باہم ملا کرتے تھے۔ لیکن اب سری نگر کے قریب اس جگہ ملتے ہیں۔ جہاں سویا نے انہیں ملایا تھا۔ مندر مذکور بالترتیب پھل پور اور پرہاس پور میں واقع تھے۔ مگر موجودہ مقام اتصال مندر سی بھون کے قریب ہے۔ رشی کنیش یوگ سائیں کا مندر ہے۔ ان الفاظ کے معنی ہیں۔ وشنو سی لیت مراقبہ۔ سویا اسی کی پوجا کیا کرتا تھا۔ دریا کے پہلی تہتوں کے کناروں پر اگے ہوئے پراسرار درخت آج بھی ایسے دکھائی دیتے ہیں۔ گویا اس میں نشانوں کی باندھی ہوئی رسیوں کے

نشانات موجود ہیں۔ نشا د قدیم جنگلی قومیں تھیں۔ اور یہی لوگ ماہی گیر اور ملاح تھے۔

۶۔ سویا نے مختلف ندیوں کو اس طرح متحرک کیا جس طرح کوئی سپیرا سانپوں کو حرکت دیتا ہے۔ اس نے دریائے وتستا کے کنارے سات یوجن تک پتھر کے پشتے بنوا کر جھیل مہا پدم کے پانی پر بند بندوایا۔ اور اس دریا کی ایسی حالت کر دی۔ کہ وہ جھیل مہا پدم کی تہ سے آ گئے کو ایسی تیزی سے چلنے لگا۔ جیسے کمان سے تیر نکلکر جاتا ہے۔ سویا نے پانی سے بہت سی خشک زمین نکال کر بہت سے گاؤں آباد کئے۔ پھر اس نے گول پشتوں کے ذریعہ پانی روک کر ان مواضعات کو گویا کنڈ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انہیں کنڈل کہا جاتا ہے۔ اور ان مقامات میں غلہ بکثرت پیدا ہوتا ہے ان دریاؤں کے اندر سے بہت سے خشک مقامات آج بھی ان پلوں کی مانند نمودار ہو جاتے ہیں۔ جن کے ساتھ مست ہاتھی باندھے جاتے ہیں۔ جب نند گاؤں کے اوپر کا پانی خشک ہو گیا۔ اور زمین نکل آئی تو وہاں سے دیناروں سے بھری ہوئی وہ دیگ بھی برآمد ہو گئی جسے سویا نے اس مقام پر غرق کر دیا تھا۔

۷۔ سویا نے آبپاشی کا بھی جدید طریقہ نکالا۔ چنانچہ مختلف اقسام کی زمینوں کا امتحان کرنے کے بعد نو آباد مواضعات کے لئے دریا کے پانی سے آبپاشی کا انتظام کیا۔ سویا نے دیہات کی زمینوں کی آب رسانی کا انتظام کرنے کے بعد ہر گاؤں سے تھوڑی تھوڑی مٹی لیکر اور اس بات کا اندازہ کر کے کہ وہ کتنی مدت میں خشک ہو جاتی ہے یہ بات معلوم کی کہ مختلف زمینوں کو کتنی کتنی مدت میں آبپاشی کی

سلہ یہ ذکر پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی (عہد راجہ جے سنگھ) کے زمانہ کا ہے۔

کی ضرورت پڑے گی ۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا ۔ تو اس نے آبپاشی کا انتظام منتقل کر دیا ۔ سویا نے اتولا اور دیگر ندیوں سے آب پاشی کا کام لیکر تمام علاقے سیراب کر دیئے ۔ جس سے پیداوار اور بھی بڑھ گئی ۔ اور ملک چند ہی روز میں نہال ہوگیا ۔ اور سویا جو بظاہر ایک معمولی اور غریب آدمی تھا ۔ اپنے وطن اور اہل وطن کی اس قدر زیادہ خدمت کر سکا جو پہلے کوئی بڑے سے بڑا راجہ بھی نہیں کر سکا تھا ۔

۸ ۔ سویا نے خیرات بھی بہت کی اور اس کی وجہ سے ارزانی بھی بڑی ہوئی ۔ چنانچہ کشمیر کے جن علاقوں میں ابتدا سے مفصل کے زمانہ میں بھی ایک خروار چاولوں کی قیمت دو سو دینار سے کم میں نہیں خریدی جا سکتی تھی ۔ وہاں ایک کھاری (گون) کی قیمت صرف ۳۶ دینار رہ گئی اور یہ عظیم الشان انقلاب تھا ۔ دریائے وتستا جس مقام پر جھیل مہاپدم سے نکلتا ہے ۔ سویا نے وہاں ایک شاندار اور خوبصورت شہر آباد کیا ۔ جس کا نام اس کے نام پر سویا پور مشہور ہوگیا ۔ اور آج وہی سوپور کہلاتا ہے ۔ سوپور وتستا کے دونوں کناروں پر اس جگہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے ۔ جہاں وہ جھیل وولر سے نکل کر آتا ہے ۔

۹ ۔ سویا نے جھیل میں مچھلیوں اور پرندوں کے شکار کی سخت ممانعت کی ۔ اس نے اپنی ماں سویہ کے اعزاز میں موضع سویہ کنڈل برہمنوں کو خیرات کر دیا تھا ۔ یہ جھیل کے کنارے پر ہے ۔ سویہ نے اپنی ماں ہی کے نام پر "سویہ سیتو" تعمیر کرایا ۔ اور پانی سے نکالی ہوئی زمینوں پر ادنتی ورمن اور دیگر اشخاص نے بے اسنخل وغیرہ کئی گاؤں آباد کیے

الغرض سویا نے (جن کا راجہ کے درباری شروع میں مذاق اڑاتے تھے) نہ صرف کشمیر سے تباہی دور کی۔ بلکہ ملک میں ارزانی بھی کر دی۔ حالانکہ وہ کوئی راج کنور یا کوئی عالی خاندان آدمی نہیں تھا۔ بلکہ مجہول النسب ایک غریب آدمی تھا۔ تاہم اس نے اپنی خداداد ذہانت سے ایسا بڑا کام کیا۔ جو برہمن۔ اور راجہ بھی نہ کر سکے۔ پس کسی آدمی کو اس وجہ سے ذلیل سمجھنا کہ اس کی رگوں میں شاہی خون نہیں ہے۔ یا وہ غریب ہے۔ انسانیت سے بعید ہے۔

رانی سوگندھا

۱۔ راجہ شنکر ورمن[۱] جب صاحب حکومت ہوا۔ تو اسے ابتدا میں ہی خانہ جنگی سے واسطہ پڑا۔ اور اس میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ غیر ملکی فتوحات کے لئے اٹھا۔ چنانچہ ملک گجرات فتح کیا۔ پھر وطن واپس آکر خوبصورت شہر شنکر پور تعمیر اور آباد کرایا۔ مگر وہ آخر کار عیش و عشرت کا بندہ بن گیا۔ خزانے اسی شغل میں خالی کر دیئے۔ اس نے رعایا پر نئے ٹیکس لگائے۔ حتیٰ کہ مندروں کے مال پر بھی قبضہ کر لیا۔ رعایا چیخ اٹھی۔ راجہ کے بیٹے راج کمار ورمن نے بھی باپ کو نصیحت کی۔ مگر بے سود۔ راج ترنگنی کے مصنف نے اس راجہ کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ انجام کار جب وہ شمالی علاقے فتح کر کے واپس آ رہا تھا۔ تو اسے اُرشہ میں ایک سوماک

[۱] عہد حکومت ۸۸۳ء لغایت ۹۰۲ء

یعنی ڈوم نے تیروں سے زخمی کرکے مار ڈالا۔ اُرشہ وہ پہاڑی علاقہ ہے۔ جو دریائے وتستا کے بالائی حصّہ اور سندھ کے مابین واقع ہے۔ مگر اب اس کا بڑا حصّہ سرحدی ضلع ہزارہ میں شامل ہو چکا ہے راجہ شنکر ورمن کے تین بچے اس سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ شاہی خاندان کی بہت سی عورتیں بھی مر گئیں۔

۲۔ شنکر ورمن اور اس کے بیٹے گوپال ورمن کے بعد راجہ شنکر ورمن کی رانی سوگندھا کو راج گدی پر بٹھایا گیا۔ اس رانی نے شہر گوپال پور تعمیر و آباد کرایا۔ اب یہ دریائے وتستا کے بائیں کنارہ پر اونتی پور سے نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔ جو گوری پور کہلاتا ہے۔ رانی نے گوپال مٹھ۔ گوپال کیشو نامی وشنو کے مندر کے علاوہ ایک شہر اپنے نام پر تعمیر کرایا۔ اس کے زمانہ میں تنتری اور ایکانگوں وغیرہ سپہگری پیشہ اقوام نے زور پکڑا۔ تاہم رانی نے انہیں قابو میں رکھا۔

۳۔ رانی نے تخت نشینی سے کچھ مدت بعد اپنے وزیروں اور درباریوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ کہ کسی لائق شخص کو شاہی اختیارات دیدیئے جائیں۔ چونکہ اونتی ورمن کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس لئے رانی چاہتی تھی۔ کہ حکومت شور ورمن کے پوتے (سکھ ورمن کے بیٹے) نرجیت ورمن کے سپرد کی جائے۔ کیونکہ یہ شخص رانی کی ایک رشتہ دار گنگا کے بطن سے تھا۔ اور اسے خیال تھا۔ کہ وہ خاندانی قرابت کی وجہ سے اس کی مرضی پر چلے گا۔ مگر اعتراض ہوا۔ کہ

اس شخص کو تو سب لوگ لنگڑا لنگڑا کہتے ہیں یہ اس قابل نہیں ہے۔ پھر وہ تمام رات عیاشی میں ضائع کر کے دن بھر سویا کرتا ہے۔ ادھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ ادھر تنترن پیادہ سپاہیوں نے نرجیت ورمن کے بیٹے پارتھ کو تخت پر بٹھا کر راجہ بنا دیا۔ اس کی عمر صرف دس سال تھی۔ رانی کو بے دخل کر کے محلات سے نکال دیا گیا۔ وہ ہشک پور چلی گئی۔ ایکانگ قوم کی فوجیں رانی کی طرف دار تھیں۔ انہوں نے رانی کی حمایت میں تنترن یا تانترے قوم کے لوگوں سے جنگ کی۔ مگر شکست فاش کھائی۔ فاتح فوجوں نے رانی کو قید کر کے بالآخر قتل کر دیا۔ اس کے بعد ملک طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنس گیا۔ جان و مال کا غیر معمولی نقصان ہوا۔ راجہ کے باپ نرجیت ورمن اور وزیروں نے متفق ہو کر ملک خوب لوٹا۔ امیر وزیر سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ ادھر طوفان نے چاولوں کی فصل تباہ کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خوفناک قحط پڑا۔ اور بہت سے لوگ فاقہ سے مر گئے۔ ایک ایک خردار چاول ہزار ہزار دینار کو فروخت ہونے لگا۔ دریائے وِتستا انسانی نعشوں سے بھر گیا۔ ذاتی غرضوں کی وجہ سے راجہ اور اس کا باپ باہم حریف ہو گئے۔ کبھی وہ صاحب اختیار ہو جاتا کبھی وہ۔ لیکن ان میں سے ہر ایک رعایا کو لوٹتا۔ اور خوب ہی ظلم کرتا تھا۔ آخر کار باپ بیٹے پر غالب آیا۔ چنانچہ نرجیت ورمن سنہ ۹۳۹ء میں کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔

۵۔ اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم اور سازشیں رعایا کو تو تباہ کر ہی دیتی ہیں۔ مگر ان کی زد سے حکمران بھی نہیں بچ سکتے۔

راجہ شنکر

جو مفلس ہونیکے باوجود راجہ بنا

۱۔ راجہ شنکر کے حکومت پانے کی کہانی غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے۔ اسے راجہ شور ورمن ثانی کی معزولی کے بعد کشمیر کے تخت حکومت پر بٹھایا گیا۔ مگر پہلے نہ اسے اور نہ کسی اور شخص کو کبھی خواب میں بھی اس کے صاحب حکومت ہونے کا خیال آیا ہوگا۔ جب راجہ شور ورمن ثانی اپنے باپ کو قتل کر کے سورج دیوتا کے مندر سے ورمن کے درشنوں کو گیا۔ تو اس واقعہ کی اطلاع اس کے مخالف کمل وردہن کو بھی ہوگئی۔ چنانچہ وہ معہ باجگزار ریاستوں کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ راجہ کی فوجوں سے جنگ کی۔ حتیٰ کہ راجہ کو شکست دی۔ اور پھر شاہی محل میں داخل ہوگیا۔ بدنصیب راجہ شور ورمن (ثانی) کو اس کی فوجیں چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اور جب وہ تنہا رہگیا۔ تو اس کی ماں اس نوعمر راجہ کو اپنے ہمراہ لے گئی۔

۲۔ لیکن کمل وردہن اس کے باوجود تخت حکومت پر نہیں بیٹھا۔ شائد اسے صلاح کار مشیر اچھے نہیں ملے۔ وہ سیاسی معاملات سے بھی واقف نہیں تھا۔ اس نے اگلے روز برہمنوں کو جمع کر کے حکومت کے متعلق ان سے رائے طلب کی۔ شاہی اختیارات کے متعلق مشورہ کیا۔ وہ ان سے بولا کہ تم اپنے کسی طاقتور اور بالغ ہموطن کو راجہ بنالو۔" برہمن کئی روز

۱؎ عہد حکومت ۹۵۶ء لغایت ۹۶۶ء

تک اس مسئلہ پر بحث کرتے رہے۔ کہ حکومت کس کے سپرد کی جائے۔ مگر وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ اسی اثنا میں سادہ لوح کمل وردھن نے اپنے آپ کو تخت کے واسطے پیش کیا۔ مگر برہمنوں نے اسے اینٹیں مار مار کر نکال دیا۔ اس شخص سے زیادہ قابل رحم کون ہو سکتا ہے۔ جو حکومت بزور بازو حاصل کر کے اس وقت تو اسے چھوڑ دے۔ مگر بعد ازاں اس امر کی ناکام کوشش کرے۔

۳۔ برہمن پانچ چھ روز تک تو صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ بڑے بڑے مقدس مہاتما بھی آ گئے تھے۔ ان لوگوں نے نقارے۔ جھانجھ۔ اور دیگر باجے بجا بجا کر غیر معمولی ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ چمکدار جھنڈیاں اور نشان اڑاتے۔ چھتر دئے گھوڑوں پر سوار پھر رہے تھے۔ جب کمل وردھن نے شاہی طاقت دوسروں کے قبضہ میں دیکھی۔ تو اسے سخت صدمہ ہوا۔ اس اثنا میں راجہ شور ورمن ثانی کی رانی نے بھی ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ حکومت اس کے بیٹے کے حوالے کی جائے۔ مگر برہمنوں نے منتخب کیا۔ ایک غریب شخص یشیسکر کو۔

۴۔ یشیسکر نے عجیب قسمت پائی تھی یشیسکر پھاکر دیو کا بیٹا تھا۔ پھاکر نے ترقی کرتے کرتے راجہ شنکر ورمن کے زمانہ میں خزانچی کا عہدہ حاصل کر لیا تھا۔ مگر اس کا بیٹا یشیسکر گو دولت علم سے مالا مال رہا لیکن جس دولت کا نام روپیہ پیسہ ہے۔ وہ ہمیشہ اس سے کنارہ کش رہی۔ زمانہ کے انقلاب سے ایسا تنگدست ہو گیا تھا۔ کہ وہ مع اپنے ایک دوست کے اپنے وطن موضع یشیاچک پور سے ہجرت کر گیا۔ کچھ مدت بعد نیک شگون اور عمدہ خواب دیکھ کر اور خوش قسمتی کا امیدوار بن کر وہ پھر اپنے وطن کو

روانہ ہوا۔ وہ رستے میں ہی تھا کہ اسے وہ لوگ ملے۔ جو شورہ ورمن کی بیوی کی طرف سے حکومت دینے والے برہمنوں کے پاس اس لئے جا رہے تھے۔ کہ وہ اس کے بیٹے کو کشمیر کا تخت و تاج سپرد کریں۔ رانی کے یہ سفیر یشسکر کی قابلیت اور فصاحت و بلاغت دیکھکر بہت متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اور اسی طرح یشسکر حکومت کے مالک برہمنوں تک جا پہنچا۔

۵۔ جب ان پروہتوں اور برہمنوں نے یشسکر کو دیکھا۔ اور اس کی باتیں سنیں۔ تو وہ مسحور سے ہو گئے۔ اور متفق ہو کر بولے کہ اس لائق آدمی کو کشمیر کا راجہ بنا دینا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے یشسکر سے درخواست بھی کردی۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اگر پارتھ کا بیٹا خود غرض نوکروں کے بہکانے سے اپنے خاندان کی بیخ کنی نہ کرتا۔ اور اگر کمل وردھن اس لڑکے کو تخت سے نہ اتارتا۔ تو غریب یشسکر کیسے حکومت پاتا۔ اب اسے راجہ بنا دیا گیا۔ اور اس کا جلوس نکلا۔ سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ عورتیں کہنے لگیں۔ کہ یہ وہی شخص ہے۔ جو کل تنہا اور بے کس پھر رہا تھا۔ پھر جب وہ شاہی محل میں داخل ہوا۔ تو حسین عورتیں اسے دعائیں دینے لگیں۔ مگر اس نے ادھر سے منہ پھیر لیا۔ جس کا نتیجہ داناؤں نے یہ نکالا۔ کہ یشسکر لائق راجہ ثابت ہوگا۔

۶۔ اس راجہ نے ۹۳۹ء سے ۹۴۸ء تک نہایت دانشمندی اور انصاف پسندی سے حکومت کی۔ وہ برہمنوں کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بن گیا بلکہ اس نے انہیں الگ بٹھا دیا۔ ملک کا انتظام خوب کیا۔ ہر کام کی نگرانی خود کی۔ اس کے عہد میں زراعت اور علم و ہنر کی عام ترقی ہوئی۔

راجہ اوچل

راجہ کا دانشمندانہ انصاف

۱- راجہ اوچل کشمیر کا مشہور و معروف راجہ گذرا ہے۔ جو ۱۱۱۲ء سے ۱۱۲۵ء تک حکومت کرتا رہا۔ وہ بڑا نیک جفاکش اور اپنی رعایا کا خیر خواہ تھا۔ چنانچہ صبح سے شام تک دربار میں موجود رہتا تھا۔ وہ دانائی اور استقلال کا پتلا اور اس کا چال چلن بے داغ تھا۔ چونکہ راجہ نے عہد کر لیا تھا۔ کہ اگر کوئی شخص انصاف سے مایوس ہو کر خودکشی کریگا۔ تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔ اس لیے اس کے جج اور منصف انصاف بڑی احتیاط سے کرتے تھے۔ وہ اپنے درباریوں کی نگرانی خوب کرتا اور انہیں سزا دینے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔

۲- اس راجہ نے اپنے بہت سے بددیانت نوکروں کا درجہ گھٹایا یا انہیں برخاست کیا۔ قید کیا۔ یا دیگر طریقوں سے ذلیل کیا۔ سہیل اور بعض دیگر درباریوں کو برخاست کیا۔ اور انہیں قید کر کے "ڈھینگ کے کپڑے" پہنائے۔ اس نے بھوت بھتیج کی تذلیل اس طرح کی۔ کہ اسے اور اس کی بیوی کو معمولی بازیگروں کی مانند کھیل تماشے کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ وہ ڈوم سپاہی کی مانند بھاگتے پھرے۔ ایک اہلکار کا تعلق ایک فاحشہ عورت کے ساتھ تھا۔ پس راجہ نے اس سے یہ سلوک کیا۔ کہ اسے گوڑیوں۔ فاحشہ عورتوں اور اپنے درباریوں اور

خود اپنے سامنے گانے۔ ناچنے اور نقالی کرنے پر مجبور کیا۔ ایک اور اہلکار کا آدھا سر منڈوا کر اور باقی بالوں میں سیندور بھر کر اسے برہنہ کیا۔ اور پھر اسے ایک چھکڑے میں جوت دیا۔

۳۔ ہم ایک مقدمہ کا مفصل حال سناتے ہیں جس کا فیصلہ جج اور منصف نہیں کر سکے تھے۔ مگر راجہ اوچل نے بڑی آسانی سے فیصلہ کر دیا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک ساہوکار کے ہاں ایک لاکھ دینار کی رقم جمع کرائی۔ سوداگر دیانتدار مشہور تھا۔ اس کے بعد وہ شخص وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا روپیہ اپنے اخراجات کے واسطے لیتا رہا۔ حتی کہ اس طرح تیس سال گذر گئے۔ روپیہ جمع کرانے والے آدمی نے سوداگر سے اپنا باقی روپیہ طلب کیا۔ لیکن سوداگر مختلف حیلے حوالے کر کے مدت تک ٹالتا رہا۔ آخر کار جب ادھر سے زیادہ تقاضا ہوا۔ تو ساہوکار نے ناک بھوں چڑھا کر اور ماتھے پر بل ڈال کر اپنی بہی نکالی۔ اور اس میں اس شخص کا حساب نکال کر بولا۔ لفظ نفع جو حساب کے سرے پر درج کیا گیا تھا۔ اب نقصان سے بدل چکا ہے۔

تم چھ سو دینار پل عبور کرنے کا محصول ادا کرنے کے واسطے لے جا چکے ہو۔ تم نے ایک سو دینار موچی کو پھٹی ہوئی جوتی اور چابک کی مرمت کے واسطے مجھ سے لے کر دیئے تھے۔ اور تمہاری خادمہ مجھ سے پچاس دینار لیکر پاؤں کے چھالوں کے واسطے گھی لے گئی تھی۔ اور ہاں تین سو دینار خود تم نے مجھ سے اس کمہاری کو دلائے تھے۔ جس کے مٹی کے برتن ٹوٹ گئے تھے۔ اور وہ اسی واسطے سر پر ہاتھ رکھے زار زار

رو رہی تھی۔ یہ دیکھو یہ رقم اس جگہ بھوج پتر پر درج ہے۔ علاوہ ازیں
تم ایک سو دینار کی چوہیاں اور مچھلی کا شوربا منڈی سے بلی کے
بچوں کے واسطے خرید کر لائے تھے۔ تم نے سات سو دینار کا پاؤں
کے مرہم کے واسطے مکھن اور شراب کے پندرہ دنوں میں اشنان کے
موقع پر چاول۔ پھول۔ گھی اور شہد خریدا تھا۔ اور جب تمہارے بیٹے
کو کھانسی ہوئی تھی۔ تو وہ ہم سے شہد اور ادرک لے گیا تھا۔ مگر
وہ ابھی تک صاف طور سے نہیں بول سکتا۔ اس واسطے اس معاملہ
میں وہ کیا کر سکتا ہے۔ ان چیزوں کی قیمت ایک سو دینار درج ہے
اور ہاں تم نے مجھ سے ایک غنڈی فقیر کو جو تم پر حملہ کرنا چاہتا تھا
تین سو دینار دلائے تھے۔ اور تم نے جو دھوپ اگندھ۔ اور
پیاز گروؤں کو دلائے تھے۔ اس کی رقم اندازاً سو یا دو سو دینار لگالو۔
اس کے علاوہ اور بھی رقمیں تمہارے نام ہیں۔ جن کی تفصیل مجھے
یاد نہیں۔ خیر اس کے صرف پانسو دینار لگائے دیتا ہوں۔ پس یہ سب
رقمیں تمہاری جمع میں سے مجرا لینی ضروری ہیں۔"

یہ کہہ۔ اس کے بعد سوداگر بولا۔ لو میں سود کا بھی حساب لگائے دیتا ہوں
وہ یہ کہکر انگلیوں پر حساب لگانے لگا۔ اور انگلیاں متواتر حرکت کرتی
رہیں۔ اور انگلیوں پر ختم نہ ہونے والے سال مہینے۔ ہفتے۔ اور دن
کچھ اس طرح چلے آئے تھے۔ گویا وہ زندگی کے دوامی چکر میں گھوم
رہے ہوں۔ ساہوکار نے آخر کار زر اصل اور سود جمع کر کے زمی
سے ہونٹ آگے نکالے اور آنکھیں نیم وا کر کے اپنی اسامی سے بولا
"بھئی تم اپنی جمع واپس لے لو۔ یہ کانٹا میرے پہلو سے نکال دو۔ مگر

قرض کی رقم بھی، (جو تمہیں محض تمہارے اعتبار پر دی گئی تھی) معہ سود دیانتداری سے واپس کردو۔

۵۔ بیچارے روپیہ جمع کرانے والے نے ساہوکار کی یہ باتیں اول اول بالکل نیچ سمجھیں۔ وہ ایک لمحہ بھر کے واسطے مطمئن ہوگیا۔ مگر اس کے بعد اس کا دل رنج اور افسوس کے جذبات سے بھر گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ ساہوکار کی یہ بات ایک ایسے چاقو کی مانند ہے۔ جو شہد سے بھرا ہوا ہو۔ تاہم ساہوکار اپنی بات پر اڑا رہا ہے۔ اس لئے اس شخص نے بنئے پر غبن کی نالش کردی۔ کہ وہ حیلے حوالے کرکے میرا روپیہ ہضم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن عدالت میں وہ اپنا حق ثابت نہیں کرسکا۔ اس لئے جج اسے اس کا حق نہیں دلا سکے۔ اور اس طرح سوداگر مقدمہ جیت گیا۔ اور اب اس شخص کے لئے اس کے سوا اور کچھ چارہ کار باقی نہیں رہا۔ کہ وہ راجہ ادچل سے اپنی مظلومیت کی داد چاہے۔

۶۔ آخرکار وہ مظلوم شخص راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ساہوکار کی بے ایمانی اور ججوں کی مجبوری کی تمام داستان اسے حرف بہ حرف سنائی۔ راجہ نے ساہوکار کو بھی طلب کیا۔ اور جب وہ آیا تو اس سے سوال کیا کہ جمع کے دینار اس وقت بھی موجود ہیں۔ ساہوکار نے کہا ہاں سرکار موجود ہیں۔ راجہ یہ سنکر بولا "تو ان میں سے چند لاکر پیش کرو۔" ساہوکار چلا گیا۔ اور دینار لاکر راجہ کی خدمت میں پیش کئے۔ راجہ نے انہیں غور سے دیکھا۔ اور اس کے بعد اپنے وزیروں سے سوال کیا۔

کیول جی! کیا راجگان، اپنے دیناروں کے لئے آئندہ راجوں کے نام کے سانچے بھی استعمال کرتے ہیں؟ تمام وزیروں نے متفق الزبان

ہو کر جواب دیا۔ نہیں سری حضور! ہرگز نہیں۔ یہ سنکر راجہ بولا۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ جو روپیہ راجہ کلش کے عہد میں جمع ہوا تھا۔ اس میں میرے نام کے بھی سکے موجود ہیں! یہ سنکر تمام درباری چونک پڑے۔ راجہ بولا۔ کیا اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ اس بے ایمان نے امانت کا روپیہ اسیطرح استعمال کیا۔ جس طرح اس مُدعی وہ چیزیں استعمال کیں۔ جو وقتاً فوقتاً اس ساہوکار سے لی تھیں۔ اس لئے اگر مدعی کو اس رقم پر سُود ادا کرنا ضروری ہے۔ جو اس نے اس وقت سے آج تک اس سے لی ہے۔ تو اس ساہوکار کے واسطے بھی یہ امر لازم ہے۔ کہ یہ پورے ایک لاکھ جمع شدہ دیناروں کا سود جمع کرنے کے روز سے آج تک کا ادا کرے۔ اصل رقم کی لنسبت میرے جیسا رحمدل آدمی کیا کہہ سکتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں سے جیسا کہ ساہوکار ہے سخت سلوک ہونا چاہیئے۔ رحم کا مستحق صرف غلط فہمی کا شکار ملزم ہے۔ مگر دھوکے باز کو سخت سزا ملنی چاہیئے۔

ے۔ ساہوکار بے ایمانی کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ کیونکہ دانشمند راجا دھِل نے اس کی بددیانتی معلوم کر لی۔ اور اسے روپیہ ہضم کیا ہوا اگلنا پڑا۔ اسی لئے مشہور کتاب راج ترنگنی کا فاضل مصنف پنڈت کلھن کہتا ہے۔ کہ ندیاں جو پانی سمندر تک لے جاتی ہیں۔ وہ تو بادلوں کے ذریعہ دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر جو رقم ایک بار ساہوکار کے خزانہ میں پہنچ جائے۔ اس کی واپسی ممکن نہیں۔

ہر دلعزیز سلطان زین العابدین

بے تعصبی اور دانشمندی کا دیوتا

۱۔ یہ ہوشیار، سراپا دانش۔ اور عدل مجسم سلطان ۱۲۲۳ء میں تخت کشمیر پر جلوہ فرما ہوا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام قیدی آزاد کر دیئے۔ ملک سے ہر قسم کی بری رسمیں مٹائیں۔ نرخ نویسی موقوف کی۔ نیا انتظام کیا۔ جدید قواعد بنائے۔ اصلاحات جاری کیں۔ اور جدید قانون کا خلاصہ تانبے کی تختیوں پر کندہ کرا کے شہروں کے بازاروں اور کوچوں بلکہ دیہاتوں میں بھی آویزاں کرایا۔ تاکہ عوام الناس اہلکاروں کے فریب سے محفوظ رہیں۔ اس نے عظیم الشان عمارات بنوائیں۔ نہریں کھدوائیں۔ اور بہت سے ملک فتح کیے۔

اس سلطان نے ہندوؤں کے واسطے جو کچھ کیا۔ وہ ہندو راجاؤں سے بھی نہیں ہو سکا۔ جلا وطن ہندوؤں کو واپس بلایا۔ اور انہیں جائدادیں دیں۔ بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اور جزیہ موقوف کیا

۲۔ اس بادشاہ کے عہد میں شاہی خاندان کا کوئی شخص یا اس کا ہم مذہب کسی محکوم فرقہ کو بلا وجہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ بڑا بے تعصب بادشاہ تھا۔ اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں سیہ بٹ وزیر نے جو مظالم کئے تھے۔ اس کے شاہانہ الطاف و کرم کی بدولت ہندو اس کو بھول چکے تھے۔ اور سلطان سے بے حد خوش تھے۔

اس زمانہ میں ہندوستان سے بہت سے برہمن۔ اور ہندو عالم اور فاضل آئے۔ جن کی سلطان نے بڑی قدردانی اور خوب سرپرستی کی۔ بعض نومسلموں نے ہندو مذہب پھر اختیار کر لیا۔ اور سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ ہندوؤں کی تمام مذہبی رسومات از سر نو جاری ہوگئیں۔ حتیٰ کہ سلطان نے کشمیر کے ہندوؤں سے ایک دستاویز لکھوائی جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

"ہم لوگ اپنے دھرم کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے جس سے دھرم میں فرق آئے۔ یا دھرم کو ضعف پہنچے ۲۰/۶۶۔ ہم علانیہ قشقہ لگائیں گے! اپنے آپ کو ہندو کہیں گے۔ اور اپنی مذہبی کتابوں پر عمل کریں گے۔"

بادشاہ ہندو میلوں اور تہواروں میں بذات خاص شریک ہوتا تھا سلطان کی بے تعصبی اور غیر مذاہب کے ساتھ اس کے حسن سلوک ہی کی پیروی میں مغل تاجدار اکبر نے اکبر اعظم ہو کر نہ مٹنے والی ہر دلعزیزی حاصل کی۔

۳۔ سلطان زین العابدین۔ وہ پیچیدہ مقدمات بھی نہایت آسانی سے فیصلہ کر دیتا تھا۔ جو ججوں اور منصفوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ایک عورت نے سلطان کے دربار میں آکر دعوےٰ کیا۔ کہ میری سوکن نے میرے بچہ کو مار ڈالا ہے۔ سلطان نے ملزمہ کو طلب کیا۔ تو اس نے جرم سے انکار کیا اور کہا کہ اس عورت نے خود ہی اپنے بچہ کا گلا گھونٹ کر مجھ پر جھوٹا الزام لگا دیا ہے۔ مشکل یہ ہوئی کہ موقعہ کا کوئی گواہ موجود نہیں تھا۔ یہ فعل آنکھوں سے کسی انسان نے نہیں دیکھا۔ اور اسی وجہ سے قاضی۔ اور مجسٹریٹ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سلطان

زین العابدین نے مقدمہ کی روئداد مدعیہ سے لفظ بلفظ سنی۔ مثل دیکھی۔ پھر دونو عورتوں پر زور ڈالا کہ وہ جھوٹ سے دستبردار ہو کر سچ سچ واقعہ بیان کردیں۔ مگر مستغیثہ اپنے دعوے پر ثابت قدم رہی۔ ادھر ملزمہ اپنے آپ کو بے گناہ کہے جاتی اور بار بار قسمیں کھاتی تھی۔ غرضکہ یہ معمہ حل ہونے میں نہیں آتا تھا۔

۵۔ بادشاہ کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد ایک علیحدہ کمرے میں چلا گیا۔ اور وہیں ملزمہ کو طلب کر کے اس سے بولا۔ اگر تم نے اپنی سوکن کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ تو صاف صاف اور سچ سچ کہدو۔ ایں جانب سچا وعدہ کرتے ہیں۔ کہ تمہیں معاف کر دیں گے۔ اور تمہاری جان بخشی کردی جائیگی مگر وہ عورت یہ سنکر بولی۔ کہ حضور! میں سچ کہتی ہوں۔ کہ میں نے اس کے بچے کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں۔ بادشاہ نے اس سے سوال کیا۔ کہ پھر اس کا بچہ کیسے مرگیا۔ ملزمہ نے جواب دیا۔ اس نے اسے خود مار ڈالا اور جھوٹا الزام مجھ پر لگا دیا۔ وہ میری سوکن ہے۔ اور مجھے قتل کرانا چاہتی ہے۔ سلطان کچھ دیر سوچکر بولا۔ اور اگر تم اس کے بچے کی قاتل نہیں ہو۔ اور تم نے یہ جرم نہیں کیا ہے۔ تو تم اپنے تمام کپڑے اتار کر ہمارے درباریوں کے سامنے سے گذر جاؤ۔ پس ہم سمجھ لیں گے۔ کہ تم واقعی بے گناہ ہو۔ بولو تیار ہو؟ مگر اس عورت نے قطعاً انکار کر دیا۔ اور کہا کہ خواہ مجھے قتل کرادو۔ لیکن مجھے ایسی بیغیرتی تو گوارا نہیں ہوگی۔

۶۔ اب سلطان نے مستغیثہ کو اپنے روبرو بلایا۔ اور اس سے سوال کیا۔ کہ تمہارے بیٹے کو اس عورت نے قتل کیا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔

سلطان بولا۔ مگر وہ تو انکار کرتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ وہ جھوٹ بولتی ہے۔ اسی نے میرے بچے کو قتل کیا ہے۔ میرا دعوےٰ بالکل سچا ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں مگر سلطان نے یہ سنکر اس سے کہا۔ کہ ہم تمہیں سچا اسی وقت سمجھ سکتے ہیں۔ جب تم ہمارے دربار یوں کے سامنے بالکل برہنہ ہو کر نکل جاؤ۔ کیوں کیا! آمادہ ہو؟ وہ عورت یہ سنکر بولی۔ کہ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ بشرطیکہ بادشاہ سلامت میری سوکن کو ابھی جلاد سے قتل کرادیں۔

۷۔ بادشاہ آنکھیں نکال کر اسے غصہ سے گھورنے لگا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے غضب کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ دربار گیا۔ اور ان دونوں عورتوں کو بھی وہیں طلب کر لیا۔ پھر جلاد کو بلوا کر حکم دیا۔ کہ اس چھوٹی عیار عورت کے تازیانے لگائے جائیں۔ جب تک وہ اقبال جرم نہ کرے۔ چنانچہ جلاد نے مستغیثہ کے کوڑے لگانے شروع کئے۔ اور بالآخر اس نے اقرار کیا۔ کہ اس کی سوکن بالکل بے گناہ ہے۔ اور خود اس نے اسے تباہ کرنے کے واسطے اپنے لخت جگر کا خون بہایا ہے۔ سلطان نے اس افتراپرداز اور عیار عورت کو سزائے موت دی۔ تمام دربار بادشاہ کی یہ دانشمندی حکمت عملی اور انصاف پژدہی دیکھکر انگشت بدنداں رہگیا۔

۸۔ زین العابدین ہندوؤں پر کیوں اس قدر مہربان تھا اس کے متعلق ہندو مورخوں نے عجیب وغریب حکائتیں لکھی ہیں۔ جن میں سے ایک دو کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ سلطان ایسا بیمار ہوگیا۔ کہ امرا وزرا اس کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ شری بٹ جو شاہی طبیبوں کا افسر اعلےٰ تھا وہ بھی ناکام رہا۔ ہندو مورخین لکھتے ہیں۔ کہ آخر جب سلطان کا انتقال ہوگیا۔ تو ایک یگانہ روزگار جوگی نے اس کو زندہ کرنے کا دعوےٰ کیا۔ چنانچہ اپنے ایک

شاگرد کو کچھ ہدایات دیکر اس نے ایک ایسا عمل کیا جس سے وہ بے جان ہو گیا۔ اس پر جوگی سے شاگرد نے امرا و زرار سے کہا۔ کہ اپنے بادشاہ کو جاکر دیکھو۔ اس میں زندگی کے آثار ہیں یا نہیں۔ چنانچہ جب بادشاہ کی لاش دیکھی گئی۔ تو اس میں حرکت و حرارت موجود تھی۔ اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں بالکل تندرست ہو گیا۔ اس کے صلے میں بادشاہ ہمیشہ ہندوؤں سے مراعات کرتا رہا۔ دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شاہزادہ جو کشتی پر سوار ہو کر دریا کی سیر کر رہا تھا۔ جب عالی کدل پہنچا۔ تو لب دریا اس نے ایک حسین و جمیل ہندو لڑکی دیکھی۔ اس سے کچھ اشارہ و کنایہ کئے۔ وہ بڑی پاک دامن اور باعصمت تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے اس کا ذکر کیا۔ جس نے جلے دل سے شہزادہ کو بد دعا دی۔ خدا کی قدرت سے اسی وقت شہزادہ کے پیٹ میں درد سا اٹھا۔ اور دیکھتے دیکھتے جان کے لالے پڑ گئے۔ جب سلطان کو اصل معاملہ سے آگاہی ہوئی۔ تو وہ پا برہنہ برہمن کے گھر گیا معافی طلب کی۔ اور شہزادہ کی دعائے صحت کا طالب ہوا۔ برہمن نے کہا۔ جب بادشاہ اور شہزادے ہی اپنی رعایا کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرنے لگے تو غریب رعایا کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔ بادشاہ کے عذر معذرت اور منت سماجت کے بعد برہمن کا دل نرم ہوا۔ اس نے شاہزادہ کا قصور معاف کیا۔ اور اس کی صحت و سلامتی کی دعا مانگی۔ جو بارگاہ حقیقی میں

ؔلہ ارباب دانش کے نزدیک روح کا ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہو جانا قرین قیاس نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے۔ کہ بادشاہ سکتہ میں ہو۔ اور جوگی نے دعا مانگی ہو۔ اور بادشاہ کو صحت ہو گئی ہو۔

قبول ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ ہندوؤں کی اور زیادہ دلجوئی کرنے لگا۔

۹۔ اس بادشاہ نے چونکہ اکیاون[1] سال تک کشمیر میں حکومت کی۔ اور اس قدر طویل عرصہ میں اس نے فتوحات بھی بہت کیں۔ اور ہندوستان اور بیرون ہند کے بادشاہوں سے رابطہ اتحاد بھی قائم کیا۔ اس کے طویل عہد میں ملک میں امن و امان اور عدل و انصاف کا دور دورہ رہا۔ بلکہ کشمیر کی اہمیت و عظمت اور اس کی علمی قدر دانیوں اور ہنر پروریوں پر دوسرے ملکوں کو رشک آنے لگا۔ اس لئے یہ بادشاہ اپنی زندگی ہی میں بڈشاہ یعنی "ملک معظم" مشہور ہو گیا۔ اور چونکہ ہندوؤں میں بھی اس کی بڑی وقعت تھی۔ اور وہ اس کی عنایات کے احسان مند تھے۔ اس لئے ہندو اس کو بٹہ شاہ یعنی ہندوؤں کا بادشاہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

۱۰۔ اس نے ہندوؤں کو جہاں اور مراعات دی تھیں۔ وہاں جزیہ بھی جو اس کے عہد حکومت سے پہلے رائج تھا۔ موقوف کر دیا تھا۔ اس کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے۔ کہ ایک دفعہ اس کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا۔ جس کا زہر خطرناک ثابت ہو تا گیا۔ حکیم شری بٹ شاہی طبیب نے علاج کیا۔ اور بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ غسل صحت کے بعد بادشاہ نے شری بٹ کو انعام دینا چاہا۔ لیکن اس نے کسی قسم کا نقد انعام لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے جاگیر کا حکم دیا۔ مگر اس کا انکار بدستور جاری رہا۔ آخر بادشاہ کے اصرار پر اس نے عرض کیا۔ کہ میں سرکار کا نمک خوار ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا ہے۔ وہ میرا فرض تھا۔ لیکن اگر اعلیحضرت مجھے بطور انعام کچھ عطا ہی

---

[1] سال وفات ۱۴۷۲ء

دلانا چاہتے ہیں۔ تو میری قوم کو زر جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس سے حضور کا نیک نام بھی ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ اور ایک قوم کی قوم بھی بندۂ بے دام بنی رہے گی۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کی۔ اور مہر جزیہ سے آزاد ہو گئے۔

راجہ عجب دیو کا انصاف

۱۔ علاقہ جموں کے موضع گونی گہار متصل کٹڑہ میں ایک برہمن مسمی جتو رہا کرتا تھا۔ اس کی عورت ایک کمسن لڑکی کو چھوڑ کر مر گئی۔ اب اس لڑکی کی پرورش کا بوجھ جتو پر پڑا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کچھ ہی عرصہ بعد جتو کی اپنے بھائی بندوں سے ان بن ہو گئی۔ چنانچہ ان کی بدسلوکی سے تنگ آ کر جتو نے اپنا گاؤں چھوڑ کر کسی دور دراز مقام پر مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اپنی عزیز لڑکی کو کسی بھلے آدمی کے پاس چھوڑ کر جتو قسمت آزمائی کے لئے وطن سے باہر نکلا۔ شاہاں چک تحصیل جموں میں پہنچکر جتو نے کچھ رقبہ نو توڑ کر کے گیہوں کی کاشت کی۔ زمین نو توڑ ہونے اور دیگر حالات موافق ہونے کی وجہ سے گیہوں کی فصل غیر متوقع طور پر اچھی ہوئی۔

۲۔ مہتہ برج لال پسر مہتہ مردانہ و مہتہ پیر سنگھ پسر مہتہ بجے لال جو قوم کے رکوال راجپوت اور راجہ عجب دیو والئے جموں کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اس علاقہ کے کاردار حاکم تھے۔ غلے کا سرکاری لگان بٹائی میں وصول ہوتا تھا۔ اس لئے کاردار ان مذکور نے حسب معمول جتو

سے سرکاری لگان کا مطالبہ کیا۔ لیکن فصل غیر معمولی طور پر عمدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے بجائے ایک چوتھائی کے نصف پیداوار بطور لگان وصول کرنی چاہی۔ اس کی ادائیگی پر جتّو رضامند نہ ہوا۔ چنانچہ کارداران نے زبردستی سے پیداوار کی تقسیم شروع کر دی۔ جتو نے جب اپنی کوشش اور گریہ زاری کارگر ہوتی نہ دیکھی۔ تو لاچار ہو کر " قہر درویش بجان درویش " غلہ کے انبار پر بیٹھکر خودکشی کر لی۔ اور تمام غلہ خون آلودہ ہو گیا۔ کارداران مذکور اس خوفناک حادثہ کو دیکھکر بہت گھبرائے۔ تمام غلہ دریائے چناب میں بہا دیا گیا۔ اور جتّو کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا گیا۔ مگر اس کا سر چمڑے میں منڈھوا کر درخت سے لٹکوا دیا۔

۳۔ جتو کی لڑکی کو جو بُوا کرڑی کے نام سے مشہور ہے۔ ابرتک اپنے باپ کی خیر دعافیت کی کوئی اطلاع نہ ملی۔ لیکن جب جتو کی خودکشی کی خبر رفتہ رفتہ اس کے اپنے گاؤں میں پہنچ گئی۔ تو اس کی لڑکی انتہائے غم سے متاثر ہو کر اپنے پیارے باپ کی تلاش میں گریہ وزاری کرتی ہوئی روانہ ہوئی۔ آخرکار بہت کوشش کے بعد مقام شاماں چوک پہنچی۔ اور باپ کا سر تلاش کر کے چتا میں زندہ جل گئی۔

جب راجہ گجب دیو والئے جموں کو باپ بیٹی کی دردناک موت کی خبر ملی۔ تو اس نے اس ظلم کا جو اس کے کارداران کی سختی اور بے انصافی کا نتیجہ تھا۔ کفارہ کرنے کے لئے بُوا کرڑی کی چتا پر ایک مندر بنوایا۔ اور باپ بیٹی کی موت کی یادگار میں ماہ کاتک کی پورنماشی کے دن ہر سال میلہ لگانے کا اعلان کیا۔

یہ واقعہ غالباً ۱۷۶۵ء لغایت ۱۷۸۲ء کے درمیان ہوا

تھا[1] اور باوجود ساڑھے چار سو سال کا عرصہ گذر جانے کے ہر سال میلہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ جس میں دور دراز اور قرب وجوار کے ہزارہا مرد و زن شریک ہوتے ہیں۔ اس میلہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ بہت سے لوگ ڈھول کی آواز پر سر ہلا کر ناچتے ہیں جس کو مقامی اصطلاح میں "ابلنا" کہتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ سر ہلا کر ناچنے والے لوگ ان اشخاص کی اولاد میں سے ہیں۔ جنہوں نے باوا جتو کے گیہوں کھائے تھے۔ عوام کو باوا جتو کی روحانی طاقت پر بڑا اعتقاد ہے۔ لوگ منتیں مانتے ہیں۔ اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں

عیش پرست بادشاہ کا انجام

۱۔ کشمیر کے خالص کشمیری بادشاہوں میں چک خاندان کے آخری بادشاہ کا نام یوسف شاہ چک ہے۔ وہ سنہ ۱۵۷۹ء میں تخت کشمیر پر بیٹھا۔ اس کا مورث اعلیٰ یا چک خاندان کا پہلا حکمران لنگر چک تھا جو راجہ سہدیو والئ کشمیر کے زمانہ میں کشمیر آیا تھا۔ اس کا وطن دردستان تھا۔ سنہ ۱۴۵۲ء میں یہ لوگ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے اور ترقی کرتے کرتے سنہ ۱۵۵۴ء میں حکومت کشمیر سنبھال بیٹھے۔

۲۔ یوسف شاہ کے زمانہ میں حبہ خاتون نام موضع چندن ہار کے

[1] راجہ عجب دیو والئے جموں اور سلطان حسن شاہ والئے کشمیر کا ایک ہی زمانہ تھا۔ سلطان کے سپہ سالار تازی بٹ نے تاتار خاں حاکم لاہور کے حملوں سے راجہ عجب دیو کو بچانے کے لئے سیالکوٹ کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ [2] سنہ ۱۵۷۹ء لغایت سنہ ۱۵۸۰ء

ایک معمولی زمیندار کی لڑکی تھی۔ اس کی دانشمندی۔ دوراندیشی۔ اور اس کے حسن وجمال اور سب سے زیادہ اس کی خوش الحانی کی شہرت دیہات اور قصبات سے گذر کر دارالخلافہ میں پہنچ چکی تھی۔ بادشاہ جو پہلے ہی رنگ رلیوں میں مست رہتا تھا۔ اس کا نادیدہ عاشق ہوگیا۔

۳۔ حبہ خاتون کی شادی ایک غریب زمیندار لڑکے سے ہوچکی تھی۔ طبیعتوں میں چونکہ حد درجہ کا اختلاف تھا۔ اس لئے حبہ خاتون نے اپنے خاوند سے دائمی قطع تعلق کرلیا تھا۔ یہ سب خبریں بادشاہ کو مل چکی تھیں۔ اس نے خاتون کے والدین کو بلاکر انعام واکرام اور نکاح کا پیغام دیا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ کچھ عرصہ تو اس دہقان زادی کی تعلیم وتربیت ہوتی رہی۔ اس کے بعد بادشاہ کے ساتھ اس کا نکاح ہوگیا۔ اور وہ دیہاتی لڑکی چشم زدن میں ملکۂ کشمیر بن گئی۔

۴۔ حبہ خاتون باوجود ایک دہقان زادی ہونے کے بادشاہ کو رنگ رلیوں کے نتائج اور ان فرائض سے بھی آگاہ کیا کرتی تھی۔ جو قدرت نے ایک بادشاہ کی حیثیت سے اس کو سونپ رکھے تھے۔ یہ ملکۂ کشمیر جو اپنے وقت کی نورجہاں تھی۔ بادشاہ کو خودغرض اور رذیل لوگوں کی صحبت سے بچانے کی بہت کوشش کرتی رہی۔ لیکن بادشاہ پر عیش پرستی کا رنگ اس قدر غالب آچکا تھا کہ اس کو سوائے قوالوں اور رقاصوں اور ارباب نشاط کے اور کسی سے سروکار نہ تھا۔

۵۔ جہاں رات دن راگ رنگ کا شغل ہو۔ اور ارباب نشاط کی صحبت! وہاں ملک کے انتظام اور امن وامان کا خدا حافظ ہے۔ چنانچہ وزیر محمد بٹ نے بادشاہ کو امور سلطنت سے غافل پاکر خودرائی اختیار کرلی۔ اور اندر

ہی اندر بہت سے آدمی اپنے ساتھ ملا لئے۔ محمد بٹ ابھی اپنے منصوبے سوچ ہی رہا تھا۔ کہ ابدال بٹ جو اس کا نامور حلیف تھا۔ وزیر اور بادشاہ دونوں کی بیخ کنی کرنے اور خود بادشاہ بننے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ بلکہ ایک دن ابدال بٹ نے اپنے حامیوں کی مدد سے دریا کا پل کاٹ ڈالا اور علانیہ علم بغاوت بلند کر دیا

۶۔ اس زمانہ میں مبارک خاں نام ایک سید سیاسیات کشمیر میں خاص درجہ رکھتے۔ اور شاہی مصاحبوں میں شامل تھے۔ مگر دربار کی بدعنوانیوں اور بادشاہ کی عیش پرستیوں سے ناراض ہو کر خانہ نشین ہو چکے تھے۔ جب ان کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو انہوں نے دونوں بٹوں کو غداری سے باز رہنے کی فہمائش کی۔ ادھر تو یہ کام کیا۔ ادھر بادشاہ کے پاس اپنا معتمد بھیجکر کہلا بھیجا۔ کہ آنکھیں کھولو۔ اور ہوش کرو۔ اور باغیوں کو دم دلاسا دیکر رام کرو۔ ورنہ فساد ہی نہیں سخت خونریزی اور بالآخر تخت و تاج سے چھن جانے کا اندیشہ ہے۔

۷۔ بادشاہ کو جب یہ پیغام پہنچا۔ تو محفل نشاط گرم تھی۔ قوالوں اور رقاصوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ یہی لوگ بادشاہ کے ندیم و صلاح کار تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو سید کے خلاف بھڑکایا۔ اور کہا یہ سب اسی کی شرارت ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے طبلہ سارنگی بجانے والے مصاحبوں کے مشورہ سے سید مبارک خاں کو پیغام بھیجا۔ کہ باغیوں کو آج ہی گرفتار کر کے حاضر کرو۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ باغی جب دوسرے روز تک بھی گرفتار نہ ہوئے۔ تو بادشاہ نے سید کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی۔ سید بھی جان بچانے کے لئے مقابلہ کو نکلا بہت سے بادشاہی آدمی مارے گئے۔ جو باقی بچے وہ بھاگ گئے۔ بادشاہ

نے صلح کا پیغام بھجوایا۔ مگر رشید نے صلح سے انکار کر دیا۔ آخر بادشاہ نے مایوس ہو کر تمام مال ومتاع بطور امانت علی چک کے گھر میں رکھا۔ اور ۱۵۸۰ء میں شاہی تاج سید مبارک کے پاس بھجوا کر آپ پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔

۸۔ اب کشمیر کی یہ حالت تھی کہ تخت وتاج موجود تھا لیکن ان کے سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ آخر علی چک اور دیگر امراء نے سید مبارک[۱] ہی کو باصرار تمام تخت پر بٹھایا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جواہر نگار تاج توڑ پھوڑ کر غریبوں اور مسکینوں میں لٹا دیا۔ اور خود معمولی لباس پہن کر انتظام ملک میں مصروف ہو گیا۔ اس نے خودسر حاکموں کی جو بادشاہ کے رشتہ دار تھے۔ اور رعایا پر بڑا ظلم کرتے تھے۔ خوب گوشمالی کی۔ اور ملک میں چاروں طرف امن وامان قائم کر کے عدل وداد کی بنیاد استوار کی۔

۹۔ رعایا خوش تھی۔ اور ملک فارغ البال۔ لوگ اپنی نیند سوتے اور اپنی نیند جاگتے تھے۔ لیکن چک خاندان کے جاگیردار اور بڑے امرا برابر سازشوں میں مصروف رہے۔ چنانچہ وہ یوسف شاہ کو پھر پہاڑوں کی غاروں سے نکال لائے۔ مسلسل سازشوں اور بغاوتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سید حکومت سے معزول اور یوسف شاہ کا چچا زاد بھائی لوہر شاہ چک[۲] تخت کشمیر پر قابض ہو گیا۔ لیکن رعایا کے نصیبوں میں آرام نہیں لکھا تھا۔ چنانچہ یوسف اور لوہر شاہ میں عرصہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ اور

---

[۱] ایام حکومت ۹۸۸ھ مطابق ۱۵۸۰ء ۲ ماہ دو یوم [۲] ایام حکومت ایک سال ایک ماہ ۱۵۸۰ء لغایت ۱۵۸۱ء

بہت سے انقلابات کے بعد آخر ۱۵۸۱ء[1] میں یوسف شاہ پھر کشمیر کا بادشاہ ہوگیا۔

۱۰۔ تخت:- یہ تختہ اور تختہ سے تخت کے تمام نشیب وفراز دیکھنے کے بعد بھی یوسف شاہ کی رنگ رلیاں بدستور جاری تھیں۔ بلکہ اب تو مذہبی تعصبات کی وجہ سے شیعہ سنیوں کے فسادات بھی ہوتے رہتے تھے۔ ملک کی یہ ابتر حالت دیکھکر ایک جماعت اکبر کے پاس لاہور پہنچی۔ اور اسے تسخیر کشمیر پر آمادہ کیا۔ اکبری افواج پہلے تو ناکام رہیں۔ لیکن دوسرے سال جب مزید تازہ دم فوج کے ساتھ کشمیر پر حملہ کیا گیا۔ تو یوسف شاہ شکست کھاکر مغلوں کے ہاتھ قید ہوگیا۔ اکبر نے اسے پانصد ہزاری منصب دیکر بنگال میں بھیجدیا۔ مگر صدمات پیہم نے وہاں اسے زیادہ دیر تک زندہ نہ رہنے دیا۔

راجہ رنجیت دیو

جس نے منظیر دانشمندی اور انصاف پسندی کا ثبوت دیا

۱۔ یہ شریف طبع نیک نہاد اور لائق راجہ ۱۷۴۲ء میں صاحب تخت و تاج ہوا۔ اگرچہ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم اس نے عقلمندی اور عدل وانصاف سے حکومت کی یہاں تک کہ بہت سے لوگ پنجاب وغیرہ ملکوں سے بھی آکر اس کے علاقے میں آباد ہوگئے۔ اس

[1] ۱۵۸۱ء لغایت ۱۵۸۵ء ۳ سال دس ماہ

زمانہ میں شہر جموں ساڑھے تین میل میں پھیلا ہوا تھا۔ اور آبادی ڈیڑھ لاکھ سے کم نہیں تھی۔ ملک میں امن وامان تھا۔ اور لوگ خوش حال اور مطمئن تھے۔ راجہ ناجائز طریق پر کسی سے روپیہ نہیں لیتا تھا۔ اس لئے اس کے پاس دولت کثیر نہیں تھی۔ تاہم اس نے وہ نامتمام محل مکمل کرایا۔ جس کی بنا راجہ مل دیو ڈال چکا تھا۔ اب اس کا نام پورانی منڈی ہے

۲۔ راجہ رنجیت دیو نے باہو والوں سے صلح کرلی۔ یہ پہلے جموں میں ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ راجہ نے قلعہ باہو مکمل کرایا۔ اس کے بعد راجہ نے گجرات اور دیگر علاقے فتح کئے۔ اور کثیر دولت اس کے ہاتھ آگئی۔ جس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو اس نے فتح کشمیر کے سلسلہ میں راجہ سے مدد مانگی۔ راجہ نے اپنے بیٹے برج راج دیو کو فوج دے کر بھیجا۔ یہ خبر سنکر راجہ سکھ جیون صوبیدار بھاگ گیا۔ احمد شاہ نے راجہ رنجیت دیو کو اس کی امداد کے صلہ میں پچیس ہزار کی جاگیر کشمیر میں عطا کی۔

۳۔ راجہ رنجیت دیو کی صوبیدار[1] لاہور سے ناچاقی ہوگئی۔ اور اس اثنا میں باہو والوں سے پھر دوبارہ جھگڑا ہو گیا۔ اور ان لوگوں نے اس قدر سر اٹھایا۔ کہ راجہ رنجیت دیو کو ترکوٹا پہاڑی میں پناہ لینی پڑی۔ مگر بالآخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ راجہ صوبیدار کے پاس جاکر معافی مانگے۔ اور باہم صلح وصفائی ہوجائے۔ راجہ لاہور چلا گیا۔ مگر وہاں اس کے ساتھ دغا کی گئی یعنی اسے لاہور کے قلعہ میں نظر بند کر لیا گیا۔ راجہ کی غیر حاضری میں باہو والوں کی دوبارہ خودسری کے باوجود میاں گھنسار دیو۔ اور میاں صورت سنگھ مکمل انتظام کرتے رہے۔

۴۔ راجہ قلعہ لاہور میں نظر بند ہی تھا۔ کہ ایک سوداگر اعلیٰ درجہ کا

[1] ادینہ بیگ جس کے نام پر ضلع گورداسپور میں دینانگر آباد ہے۔

گھوڑا ادینہ بیگ کے پاس لایا۔ وہ گھوڑا اس قدر منہ زور اور سرکش تھا۔ کہ کسی کو اس پر سوار ہونے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ادینہ بیگ کو رنجیت دیو کی شہ سواری کا علم تھا۔ اس نے گھوڑا اس کے سپرد کیا۔ اس نے چند ہی روز میں اسے سیدھا کر دیا۔ ان دنوں قلعہ لاہور کی شمالی اور مغربی دیواروں کے نیچے میدان تھا۔ اور اس طرف کی دیواریں چھ فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ راجہ رنجیت دیو سرکش گھوڑے پر سواری کر رہا تھا۔ اور اہل قلعہ اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اس نے یکایک گھوڑے کو مہمیز کیا۔ اور دیوار پھاند کر جھٹ میدان میں جا کھڑا ہوا۔ پھر آگے بڑھا۔ اور گھوڑے کو دریائے راوی میں ڈال دیا۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ مرکب اور راکب دونوں گم۔ آخیر کچھ دیر بعد منجدھار میں اُبھرے۔ اور پھر جو لوگوں نے دیکھا۔ تو راجہ دریا پار گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ صوبیدار کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔ تو اس نے سوار اس کے تعاقب میں دوڑائے۔ بیس ہزار کا انعام بھی مشتہر کیا۔ مگر وہ گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔

۵۔ ادھر رنجیت دیو دن چھپنے سے پہلے پہلے جموں جا پہنچا۔ خاندان کے لوگ رد ردو کر ملے اور اسے مبارکباد دی۔ مگر جب اس نے لاہور واپس جانے کا ارادہ کیا۔ تو سب حیران ہو گئے۔ اور اسے روکنے لگے۔ مگر راجہ چل دیا۔ اور چالیس گھنٹے کے بعد ہی لاہور کے قلعہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ لوگ اسے دیکھکر انگشت بدندان ہو گئے۔ اور بعض نے اسے دیوانہ سمجھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک قید سے نکل جانے کے بعد کوئی عقلمند آدمی اپنی خوشی سے قید خانہ واپس نہیں آسکتا۔ جب وہ ادینہ بیگ

کے سامنے پیش ہوا۔ تو وہ بولے۔ کہ ہم تو یہ سمجھے تھے۔ کہ تم بھاگ گئے اور اب ہمارے ہاتھ نہیں آؤ گے۔ یہ سنکر راجہ کے تیور چڑھ گئے۔ اور راجپوتی خون جوش میں آگیا۔ بولا! کیا میں راجپوت نہیں؟ اور کیا راجپوت بات کے دھنی نہیں ہوتے! ہاں راجپوت بھاگنے کا نام تک نہیں جانتے۔ صاحب! میں تو ذرا کھلے میدان میں اس گھوڑے کی جولانیاں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے خیال آیا۔ کہ چلو ذرا چلکر بال بچوں کو بھی دیکھ آئیں۔ چنانچہ میں یہ دونوں کام کرکے واپس چلا آیا۔ اب میں بھی حاضر ہوں اور گھوڑا بھی۔

۶۔ راجہ کے اس بہادرانہ اور شریفانہ طرز عمل نے صوبیدار لاہور کے دل پر خاص اثر کیا۔ چنانچہ اس نے یہ کہکر کہ ایسے شریف اور جوان مرد انسان کو قید رکھنا شان شجاعت کے خلاف ہے۔ اسے آزاد کرکے جموں کا راجہ تسلیم کیا۔ نیز بیس ہزار کا خلعت عطا کیا۔ اور آٹھ سو سوار اس کے ہمراہ بھیج دیئے۔ تاکہ ملک پر قبضہ کرادیں۔ راجہ نے چند روز بعد باہو والوں کو مغلوب کرلیا۔ ان کے لئے جموں میں مکان بنوا دیئے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ اہل جموں میں خلط ملط ہو گئے۔ اور ان کی علیحدہ ہستی نہیں رہی۔

۷۔ اس راجہ کے زمانہ میں تبت سے غیر ملکی جموں آبسے۔ ان میں ایک بہت بڑا دولتمند بھی تھا۔ جب وہ لاولد مر گیا۔ تو اہل دربار نے راجہ سے عرض کی۔ کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اور وہ لاولد مر گیا ہے۔ اس لئے اس کی دولت شاہی خزانہ میں داخل ہونی چاہیئے۔ راجہ نے کہا سرکاری خزانہ اور راجہ اس دولت کا مالک نہیں ہو سکتا۔ نہ اسے ہونا چاہیئے۔ البتہ وہ دولت خوش انتظامی کے ساتھ غریبوں اور

محتاجوں میں تقسیم کر دینی چاہیئے۔ بلکہ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس کے کسی وارث یا رشتہ دار کی تلاش کرو۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد آخر ایک عورت نے اس کے مال کا دعوےٰ کیا۔ تحقیقات کے بعد وہ واقعی اس کی رشتہ دار ثابت ہوئی۔ اور وہ تمام دولت راجہ کے حکم سے اس عورت کو دی گئی۔

۸۔ دھوبن اور دھوبی کی کہانی۔ ان دونوں واقعات سے بھی زیادہ دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ جس سے راجہ کی دانشمندی، انصاف پسندی اور اعلےٰ ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک روز ایک دھوبی۔ ندی پر کپڑے دھو رہا تھا۔ جب دوپہر ہوئی۔ تو اس کی بیوی گھاٹ پر اس کا کھانا لے کر آئی۔ جسے دھوبی نے فوراً کھا لیا۔ لیکن وہ چند ہی منٹ میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس واقعہ کا تمام شہر میں چرچا ہوا۔ عام خیال یہی تھا کہ دھوبی کی بیوی نے شوہر کو زہر دیدیا ہے۔ وہ عورت گرفتار ہو کر راجہ کے روبرو پیش ہوئی۔ راجہ نے عورت کے رشتہ داروں اور محلہ والوں کو بلا کر اس کے چال چلن کی تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ عورت شریف اور نیک چلن ہے۔ جب راجہ کو یہ معلوم ہوا۔ تو وہ غور کرنے لگا۔ اور آخر کار اس نے معمہ حل کر لیا۔ چنانچہ اس نے اپنے درباریوں کو حکم بھیجا۔ کہ جس جگہ دھوبی نے کھانا رکھ کر کھایا تھا۔ اسے غور سے دیکھو۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ درباریوں نے دیکھا۔ کہ دھوبن نے جس پتھر کے نیچے کھانا رکھا تھا۔ اس کے نیچے ایک زہریلا سانپ مرا پڑا ہے۔ اسے بے شمار چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں۔ اور ان میں سے

بہت سی ہتھر پر چڑھ رہی تھیں۔ جہاں کھانا رکھا گیا تھا۔ پس اب بآسانی ثابت ہوگیا۔ کہ ان زہریلی چیونٹیوں نے دہوبی کا کھانا زہریلا کرکے اسے مار ڈالا ہے۔

یہ دانشمند راجہ چالیس سال کے قریب حکومت کرکے ۱۸۳۸ء ب مطابق ۱۱۹۶ھ میں وفات پا گیا۔

۹ ۔ جب محمود شاہ درانی کی بیگم بہت سا زر و جواہر اور مال و دولت لیکر رنجیت دیو کی پناہ میں آگئی۔ تو بعض درباریوں نے راجہ سے کہا۔ کہ اس دولت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ مگر راجہ نے یہ بات منظور نہ کی۔ بلکہ بیگم کی دولت کی حفاظت اور اس کی خدمت کی۔ جموں میں جو حویلی بیگم کی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اسی بیگم کے نام پر ہے۔

کرنیل میاں سنگھ کمیدان

۱۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۳۴ء میں کرنیل میاں سنگھ کو کشمیر کا ناظم مقرر کیا۔ یہ ذات کے کھتری اور ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی بہادری۔ نیک نفسی۔ رعایا پروری۔ اور رحمدلی کے بہت سے افسانے مشہور ہیں۔ جب میاں سنگھ نظامت کشمیر پر مامور ہوئے۔ تو وہاں کی رعایا طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار تھی۔ کوچوں اور بازاروں میں میلے اور غلاظت کے ڈھیر لگے پڑے تھے۔ حتیٰ کہ ان پر گھاس اُگ آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس سے باشندگان کی صحت پر کس قدر بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔ ملک میں افلاس عام تھا۔ صرف گھر میں چراغ جلنا۔ اور دونوں وقت کھانا پکنا آسودگی اور دولتمندی کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ افلاس عام کی وجہ صنعت و حرفت اور تجارت کی کساد بازاری بھی تھی۔ اور گلہ بان اور چوپان علیحدہ رعایا کو لوٹ رہے تھے۔ علاوہ ازیں اس خوبصورت ملک پر اور بہت سی مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں یہ حالات دیکھکر جدید ناظم نے ان تمام بدعات کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ اور وہ بہت حد تک کامیاب ہوا۔

۲۔ اس نے کئی ہزار من غلہ راجوری مظفرآباد کرناہ کشتوار اور پنجاب سے منگا کر کشمیر میں بہت کم نرخ پر فروخت کرایا۔ ملک میں دورہ کر کے زمینداروں کی تسلی و تشفی کی۔ غلہ داروں کے پاس

سے پوشیدہ نکلواکر کم نرخ پر فروخت کرانے کے لئے بازار بھجوایا جب
وہ دورہ کرتا ہوا پرگنہ اسلام آباد میں پہنچا۔ تو اسے معلوم ہوا۔ کہ سادھو
جگن ناتھ (یا جگرناتھ)۔ کے قصبہ میں غلہ بکثرت موجود ہے۔ پس ناظم
خود اس کے پاس گیا۔ اور اس سے غلہ نکالنے اور مقررہ نرخ پر فروخت
کرنے کو کہا۔ جب اس نے انکار کیا۔ تو ناظم پہلے تو اسے نرمی سے
سمجھاتا رہا۔ لیکن جب دیکھا کہ نرمی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو
اس نے حکم دیا کہ اس کو سفیدہ کے درخت پر الٹا لٹکا دو۔ اس نے ایسا
ہی سلوک اور سنگدل غلہ داروں کے ساتھ کیا۔ حتیٰ کہ وہ سیدھے ہوگئے
۳۔ جب فصل ربیع کا غلہ جمع ہوگیا۔ تو ناظم نے فی خردار چار روپیہ
نرخ پر بیچنے کا حکم جاری کیا۔ راجہ سکھ جیون کے زمانہ سے جو ایک لاکھ
خردار شالی تقاوی کی رعایا کے ذمہ چلی آتی تھی۔ وہ تمام کی تمام رعایا
کو معاف کردی۔ میاں سنگھ فصل خریف تیار ہوجانے پر بھی دورہ کے
واسطے نکلے۔ اور گنیش در کی امداد سے پیداوار کی منصفانہ تشخیص کرکے
مالیہ کا جدید انتظام کیا۔ اس نے اگلے سال شالی کا نرخ چار روپیہ فی خردار
کی بجائے دو روپیہ مقرر کردیا۔ اور بہت سے ناصاف شالی فروخت
کرنے والے کارداروں۔ تحویلداروں اور سوداگروں کے ہاتھ کٹوا دیئے
جرمانہ علیحدہ کیا۔ وہ ایک روز شالی کی کشتیوں کے ملاحظہ کے لئے گیا۔
تو ملاح کو حکم دیا۔ کہ اپنا ہاتھ دریا میں تر کرکے شالی کے انبار میں ڈالو۔
اس نے ایسا کیا۔ تو ہاتھ پر گرد جم گئی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا۔ کہ
شالی میں مٹی موجود ہے۔ پس اس کا ہاتھ فوراً کٹوا دیا۔ ایک روز
ایک بڑھیا کسی کاردار سے شالی خرید کر گھر جارہی تھی۔ کہ رستے میں

میاں سنگھ بل گیا۔ اس نے وہیں شال کا وزن کرایا۔ جو کم نکلا۔ اسی وقت ترازو دار کو بلوایا۔ اور اس جرم کی پاداش میں اس کی ناک کٹوا دی گئی۔

۴۔ ایک دفعہ متواتر چالیس روز تک بارش ہوتی رہی۔ جس سے سخت طغیانی آگئی۔ حتیٰ کہ کھنہ بل۔ زیج بہارہ اور پان پور کے پل دریا برد ہوگئے۔ اس نیک دل ناظم نے دو پل از سر نو تعمیر کرائے نیز شکستہ سرندیاں۔ اور خراب شدہ نہریں درست کرائیں۔ اور ان کی آئندہ مرمت کے لئے معقول سالانہ رقم مقرر کردی۔ اس نے ۱۸۳۶ء میں شیر گڑھی کے بالمقابل دریائے جہلم کے مشرقی کنارہ پر ایک باغ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد شال بافوں کی حالت درست کرنے کی کوشش کی۔ جن کو سابق صوبیداروں اور قحط و افلاس کے مظالم تباہ کر چکے تھے۔ ان کی دوکانیں کم ہوتے ہوتے اب صرف بائیس سو رہ گئی تھیں۔ میاں سنگھ نے کوشش کرکے ان کی تعداد چار ہزار کرادی۔

۵۔ افغانوں کے زمانہ میں گلہ بان بہت زور پکڑ گئے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں انہوں نے اور بھی بدامنی پھیلا کر دن دہاڑے لوٹ مار مچادی۔ ان کا سردار خیرا گلہ بان تھا۔ جس کی اردل میں دو تین سو سوار ہر وقت رہا کرتے تھے۔ یہ لڑکیاں اور دو لہنیں تک جبراً پکڑنے جایا کرتے تھے۔ اور کوئی ان کا کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ کرنیل میاں سنگھ نے نرمی سے کام نکالنا چاہا۔ مگر یہ بدمعاش باز نہ آئے اس نے دیوان کاہن سنگھ کو کامراج بھیجا اور خود مراج کی طرف

بڑھا۔ اور اب دونوں نے گلہ بانوں کی خبر لینی شروع کی۔ ان کے اعضاء تلواروں اور کلہاڑیوں سے کاٹ کر درختوں پر لٹکا دیئے۔ کئی ایک کو پھانسیاں دیں۔ بعض کے ہاتھ۔ اور ناک کان کٹوا ڈالے لیکن خیرا قابو نہ آیا۔ اس لئے اس کی گرفتاری پر فوج مامور کی گئی اور پھر خفیہ پولیس۔ آخر کار شکروہ کے ایک مقدم نے ڈاکو کا دوست بنکر اسے گرفتار کرایا۔ اور اسے ناظم نے زینہ کدل پر پھانسی دی۔ خیرا کی نعش عبرت کے لئے مدت تک لٹکی رہی۔

۶۔ اس ناظم کے بے لاگ اور دانشمندانہ انصاف کے بیشمار قصے کشمیر میں مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک درج ذیل ہیں۔

کہتے ہیں۔ کہ کسی درخت پر ایک مادہ کوے کا گھونسلا تھا۔ جس میں اس کے انڈے تھے۔ مگر وہ درخت بڑھئیوں نے کاٹنا شروع کیا۔ تو کوا اڑ کر ناظم کے دربار میں پہنچا اور شور کرنے لگا۔ ناظم نے کہا کہ یہ ضرور مظلوم ہے۔ اور فریاد کرنے آیا ہے۔ ایک سوار کو حکم دیا کہ اس کی پرواز کے ساتھ جاؤ۔ اور تحقیقات کرو۔ آخر کوا اڑکر اسی درخت پر جا بیٹھا۔ جو کاٹا جا رہا تھا۔ ناظم نے درخت کاٹنے کی ممانعت کر دی۔ ممکن ہے یہ قصہ صحیح نہ ہو۔ لیکن اس سے کم از کم ناظم کی ہر دلعزیزی کا ثبوت ضرور ملتا ہے۔

۷۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے۔ کہ دو گھوڑیاں ایک ہی چراگاہ میں چرا کرتی تھیں۔ ان میں سے کسی ایک کے بچہ پیدا ہوا۔ مگر شناخت نہ ہو سکی دونوں گھوڑیاں بچہ سے یکساں محبت کرتی تھیں۔ اور دونوں دودھ پلاتی تھیں۔ اور دونوں گھوڑیوں کے مالک بچہ کے

دعویدار تھے۔ ان کا فیصلہ ہونے میں نہیں آتا تھا۔ جب یہ مقدمہ ناظم کے سامنے پہنچا۔ تو اس نے دونوں گھوڑیاں دریا کے کنارے بندھوا دیں۔ اور بچھیرے کو کشتی میں سوار کرایا کشتی چل کر دریا کے درمیان جا پہنچی۔ تو گھوڑیاں ہنہنائیں۔ اب ناظم نے گھوڑیاں کھلوا دیں۔ تو ایک کنارے ہی پر کھڑی ہنہناتی رہی۔ مگر دوسری شیر کی طرح چلی۔ اور تیر کے کشتی کے پاس جا پہنچی۔ پس فیصلہ ہو گیا کہ بچہ اسی کا ہے۔ اور وہ مالک کے حوالے کر دیا گیا۔

ختم شد

مسعود احمد
۱/۱ جنوری ۲۰۰۶ء
۲۰-۱-۱۹
MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No:
MAILSI
[م جھ رل]
17 FEB 2021

Hikayat-i-Kashmir

Mohammad Uddin Fauq

H
90.

huda Bakhsh Oriental Public Library
PATNA